سورۃ مزمل و مدثر
کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

مقدمہ

کائنات میں تغیر و تبدل اور کشمکش کا سلسلہ اس قدر ہمہ گیر ہے، کہ اس کا کوئی گوشہ اس سے بچا ہوا نہیں ہے۔ بے جان مادے کے طبعی تغیّرات سے لے کر حیوانات کی جہد للبقاء (Struggle for Existence) تک ہر جگہ یہ سلسلہ تغیرات کارفرما نظر آتا ہے۔ حیوانات میں جوں جوں شعور بڑھتا جاتا ہے، کشمکش حیات پیچیدہ سے پیچیدہ تر صورت اختیار کرتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ نوع انسانی میں یہ معمولی تنازع للحیات سے بڑھ کر جہاد فی سبیل اللہ یعنی اصولوں کی خاطر جنگ کی منزل پر پہنچ چکا ہے۔

انسانی معاشرہ (سوسائٹی) میں ایک طبقہ دوسرے طبقے پر غلبہ پاکر مغلوب طبقے سے ناجائز انتفاع (Exploitation) حاصل کرنا شروع کر دیتا ہے، تو مغلوب طبقہ کمزور ہونے کے باعث غالب طبقے کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور دبتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک حد آجاتی ہے جس سے آگے وہ دب نہیں سکتا۔ اس وقت وہ طبقہ بالادست کے خلاف جدوجہد کرنے لگتا ہے۔ یہ جدوجہد دو صورتیں اختیار کرتی ہے :

(ا) ارتقائی جدوجہد :

اس میں غلط کار طبقے کی اصلاح کی کوشش صرف وعظ و نصیحت سے کی جاتی ہے۔ اور مغلوب طبقے میں بھی احساس عمل اس طریق سے پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر اس وعظ و نصیحت کے پیچھے کوئی طاقت نہ ہو تو وہ بالکل بے نتیجہ رہتی ہے اور اگر برسر اقتدار جماعت مخالفانہ نشر و اشاعت (Counter-propeganda) شروع کر دے تو پھر اس تبدیلی چاہنے والی جماعت کی کامیابی معدوم!

(۲) انقلاب :

اس کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ خرابی پیدا کرنے والی مقتدر جماعت کے خلاف کوئی صاحب فکر، دعوت و تبلیغ شروع کرتا ہے اور وہ اپنے گرد ایسی جماعت پیدا کر لیتا ہے، جو اپنے نصب العین پر اپنا سب کچھ جان و مال، عزیز و

اقارب اور اپنی ہر محبوب شے قربان کرنے کو تیار ہوتی ہے۔ یہ جماعت صاحب اقتدار جماعت سے وہ آلۂ اقتدار چھیننے کی کوشش کرتی ہے، جس کے بل بوتے پر وہ کمزور جماعت سے انتقاع کر رہی تھی۔ یہ طریق کار اکثر اوقات تبدیلی پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

اس انقلابی طریق کار کی تین ضروری جزو ہیں؛

(۱) نصب العین (Ideal) (۲) جماعت (Party) (۳) لائحہ عمل (Programme)

نصب العین: نصب العین سے مراد ہے کہ کوئی جماعت اپنے سامنے سوسائٹی میں ایک غلط نظام پاتی ہے۔ یہ جماعت اسے برباد کر کے اس کی جگہ صحیح نظام لانا چاہتی ہے، تو یہ تخریب اور اس کی جگہ صالح نظام کے قیام کا ارادہ اس کا نصب العین کہلاتا ہے

گفت رومی ہر بناء کہنہ کآباداں کنند
می ندانی اول آں بنیاد را ویران کنند

(حضرت رومیؒ نے کہا ہے کہ کسی بھی پرانی عمارت کی تعمیر کرنا ہو تو پہلی بنیادوں کو منہدم کرنا پڑے گا۔)

جماعت: سے مراد یہ ہے کہ چند لوگ جو ہم فکر ہیں وہ اپنے فکر کے مطابق عمل کرنے پر جمع ہو جاتے ہیں۔ ان میں کوئی اونچ نیچ نہیں ہوتی۔ وہ اپنے نصب العین کو جانتے ہیں اور اس کی خاطر ہر خطرہ برداشت کرنے کو تیار ہیں۔ وہ ایک جسم کی طرح کام کرتے ہیں۔ اس حیثیت میں وہ جماعت کہلاتے ہیں۔

لائحہ عمل: یا پروگرام سے مراد یہ ہے کہ وہ جماعت جس کا نصب العین معین ہے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایک طریقۂ کار سوچتی ہے۔ اس پر خوب اچھی طرح غور و فکر کرتی ہے اور آخر کار سب افراد اسے تسلیم کر کے اس پر گامزن ہونا قبول کر لیتے ہیں۔

جب تک کسی جماعت میں یہ تینوں اجزاء نہ پائے جائیں، وہ انقلابی نہیں کہلا سکتی۔ اس جماعت کا فکر شروع سے آخر تک ایک ہی رہتا ہے۔ البتہ طریق عمل یا لائحہ عمل حسب ضرورت بدل سکتا ہے۔

چونکہ صاحب اقتدار جماعت لڑے بھڑے بغیر اپنا اقتدار چھوڑ نہیں سکتی، اس لئے انقلاب میں عموماً جنگ ناگزیر ہوتی ہے۔ اس لئے انقلابی جماعت جنگ کو بطور ایک ضرورت کے جائز سمجھتی ہے۔ مگر لڑنے اور نہ لڑنے کا فیصلہ حالات کے مطابق کرتی ہے۔ ابتداء میں وہ خاموشی کے ساتھ کام کرتی ہے اور رائے عامہ کو اپنے ساتھ ملاتی ہے، یہاں تک کہ زمام اقتدار سنبھالنے کے قابل ہو جاتی ہے۔ اس تیاری کے زمانے میں وہ مخالف کی طرف سے ہر قسم کے اشتعال کے باوجود کھلم کھلا لڑائی سے پرہیز کرتی ہے اور بطریق احسن، طرح دیتی جاتی ہے۔ اور سب حملوں کو

نہایت استقامت اور استقلال کے ساتھ برداشت کرتی ہے۔ اس کے ارکان کو اپنے نصب العین کا پورا پورا علم ہوتا ہے اور سب میں وحدۃ فکری ہوتی ہے۔ اسلئے دشمن کا پروپیگنڈہ یعنی "فکری حملہ" ان کو گمراہ نہیں کر سکتا۔ ان کی وحدۃ فکری کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان میں وحدۃ عملی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے نفع و نقصان کو مشترک سمجھتے ہیں۔ اس لئے دشمن کا "اقتصادی حملہ" بھی انہیں منتشر نہیں کر سکتا۔

اگر قرآن حکیم کی تعلیمات پر مجموعی حیثیت سے نظر ڈالی جائے تو وہ بالکل انقلابی نظر آتی ہیں۔ اور حضرت نبی اکرم ﷺ کا عمل بالکل قرآنی انقلاب کی عملی تفسیر معلوم ہوتا ہے۔ [1]

پہلے "نصب العین" کو لیجئے:

قرآن حکیم میں جابجا اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (۳ : ۱۰۳) کی دعوت دی گئی ہے۔ یہ ایمان کیا چیز ہے؟ کسی بات کو نصب العین بنا کر اسے اپنانا کہ اس پر پورے اطمینان اور انشراح قلب کے ساتھ اپنا سب کچھ قربان کیا جا سکے، ایمان ہے۔ اس ایمان کے مرکز میں قرآن حکیم کو لے آیئے تو حضرت نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی مقدس جماعت کا عمل بالکل انقلابی نظر آئے گا۔ چنانچہ قرآن حکیم فرماتا ہے کہ:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (۹ : ۳۲)

(یعنی اللہ ہی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین صحیح اور پائیدار قانون دے کر محض اس لئے بھیجا ہے کہ وہ اسے تمام مجموعہ ہائے قوانین پر غالب کر دیں)۔ اب نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی زندگی پر نظر ڈالیں تو کسی شک و شبہ کے بغیر نظر آتا ہے کہ انہوں نے قرآن حکیم کو اپنا نصب العین بنایا اور اپنا سب کچھ اس پر قربان کر دیا۔

اس کے بعد جماعت کو لیجئے:

صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کی ایک خاص تعداد ہے، جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ شروع سے آخر تک کام میں شریک رہی۔ قرآن حکیم میں ان کا ذکر عموماً حضرت نبی اکرم ﷺ کے ساتھ آتا ہے۔ چنانچہ سورہ فتح میں ہے کہ: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ (۴۸ : ۲۹) (محمد رسول ﷺ اور ان کے ساتھی) اور سورۂ توبہ میں ہے۔ کہ: لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ (۹ : ۸۸) (محمد رسول اللہ ﷺ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ شریک ایمان ہیں) یہ وہ لوگ ہیں جن کو اس آیت میں معین کیا گیا ہے:

---

[1] ہم نے یہاں لفظ جہاد چھوڑ کر عمداً انقلاب کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد کے لئے جس نظام کی ضرورت ہے اس سے ہم محروم ہو چکے ہیں۔ لفظ جہاد میسر نہ رہنے کی حالت میں لفظ انقلاب سے بڑھ کر عوام کے لئے کوئی معنی خیز لفظ موجود نہیں ہے۔ جو ہم استعمال کر سکیں۔ اگر ہم انقلاب کے تخیل کو اپنالیں اور ہندوستان کے اندر اسے کامیاب بنالیں تو ہم اس سے اگلی منزل کی تیاری کر سکتے ہیں۔ ہماری سمجھ میں اس کے بغیر آگے بڑھنے کا اس وقت کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ انقلاب کو کامیاب بنانے کا واحد ذریعہ ہمرے نزدیک درجہ نوآبادی کا حصول ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ (۹ : ۱۰۰) (یعنی مہاجرین اور انصار میں سے پہلے ایمان لانے والے لوگ اور وہ لوگ جو ان کی اچھی طرح پیروی کریں)

اس آیت میں حضرت نبی اکرم ﷺ کی جماعت کے دو حصے کئے گئے ہیں :

(۱) وہ لوگ جو مہاجرین اور انصار میں سے پہلے ایمان لائے ان کو ”حزب اللہ“ قرار دیا گیا ہے۔

(۲) وہ لوگ جو ان کی پوری پوری طرح پیروی کریں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قیامت تک رسول اللہ ﷺ اور آپ کی پہلی جماعت کی پیروی کرتے رہیں گے۔

اب پروگرام لیجئے :

نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں مہاجرین اور انصار کا پہلا طبقہ حزب اللہ کہلاتا تھا۔ اس کا پروگرام وہی ہے جو قرآن حکیم نے دیا تھا۔ یہ جماعت اپنے فیصلے قرآن حکیم اور حضرت نبی اکرم ﷺ کی تشریحات کے مطابق کرتی رہی۔ ان کے بعد جو لوگ ان کی پیروی پوری پوری طرح کریں گے (مُتَّبِعِيْنِ بِاِحْسَانٍ) وہ بھی قرآن حکیم اور تشریحات نبی اکرم ﷺ کے مطابق فیصلے کریں گے اور جہاں نئے حالات میں نئی صورتیں پیدا ہوں وہ اپنے متفق علیہ یا اغلبیت کے فیصلوں سے کام لیں گے۔ امیر اس جماعت میں سے ہوگا اور وہ اپنے رفقاء کے مشورے سے قائم کرے گا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت تک کے زمانے میں جسے امام الائمہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ خیر القرون [1] قرار دیتے ہیں اسی طرز پر کام ہوتا رہا اور اس سے سر مو تجاوز نہیں ہوا۔ اس کے بعد اختلافات کا ظہور ہونے لگا۔ اس لئے حضرت امام کے نزدیک صرف حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی شہادت تک کا زمانہ قابل سند ہے۔

قرآن حکیم کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو سارا قرآن ان انقلابی اصولوں پر صحیح اترتا ہے۔ اور جن لوگوں نے اسے پہلے پہل دنیا سے روشناس کرایا، انہوں نے اسے انقلابی رنگ ہی میں پیش کیا نہ کہ ارتقائی رنگ میں۔ صفحات مابعد میں سورۂ مزمل اور سورۂ مدثر کی جو تشریح کی گئی ہے وہ انہی اصولوں پر کی گئی ہے۔

قرآن حکیم نے جو انقلاب پیدا کیا وہ حقیقت میں کسریٰ ایران اور قیصر روم کے خلاف تھا۔ [2] اس وقت کی

---

[1] شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”قرن اول زمان آنحضرت ﷺ بود از ہجرت تا وفات و قرن ثانی زمان شیخین و قرن ثالث زمان ذی النورین بعد ازاں اختلافہا پدید آمد۔ فتنہا ظاہر گردید“۔ (ازالۃ الخفاء، ص : ۱۲۱ ص : ۱۴) (یعنی قرن اول سے مراد حضرت نبی اکرم ﷺ کا زمانہ مبارک ہے، جو ہجرت سے وفات تک ہے۔ اور قرن دوم سے مراد حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا زمانہ ہے اور قرن سوم سے مراد حضرت عثمانؓ کا عہد ہے۔ اس کے بعد اختلافات اور فتنوں کا ظہور ہو گیا)۔

[2] شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ، لاجرم داعیہ ظہور دین حق و قصد انتقام از کفرہ فجرہ برہم زدنِ دولت کسریٰ و قیصر را آشیانہ خود گرد انید تا چوں ایں ہر دو دولت برہم خورد اعظم ادیان موجودہ در شہر آنہا برہم خوردہ باشد (ازالۃ الخفاء ص ۴۶) (یعنی لامحالہ دین کے ظہور اور قانون شکن کفار سے انتقام کے عزم سے مراد کسریٰ و قیصر کی حکومت کی تباہی تھی کہ یہ دونوں حکومتیں تباہ ہو جائیں گی تو موجودہ دینوں میں سے بڑے دین خود بخود تباہ ہو جائیں گے)

مہذّب دنیا کا بہت بڑا حصہ ان دونوں حکومتوں کے ماتحت آ چکا تھا۔ چنانچہ کسریٰ ایران کی حکومت مشرق میں سرحد ہندوستان تک پہنچ چکی تھی اور قیصر روم کی حکومت مغرب میں انتہائے مراکش تک پھیلی ہوئی تھی۔

اس عظیم الشان خطے میں انسانوں کی بہت وسیع آبادی موجود تھی، لیکن وہ انسانیت کے حقوق سے محروم کردی گئی تھی۔ امیروں، جاگیرداروں اور شاہی خاندانوں نے مل کر کسانوں، تاجروں اور پیشہ ور لوگوں کو اس بری طرح لوٹنا کھسوٹنا شروع کر رکھا تھا کہ، وہ بیچارے گدھوں اور بیلوں کی حالت تک پہنچ گئے تھے، جن کو صرف اس لئے زندہ رکھا جاتا ہے کہ انسان کے کام آتے ہیں۔ سیاسی گروہ کے ساتھ علمی اور مذہبی گروہ نے بھی گویا "سازش" کر رکھی تھی۔ اور آخر الذکر گروہ عوام کو اپنے حال پر مطمئن رکھنے کے لئے مذہب سے تلقین بہم پہنچاتا تھا اور اس کام کی اجرت کے طور پر سیاسی گروہ کی لوٹ کھسوٹ میں سے حصہ پاتا تھا۔ بیچارے عوام، چکی کے ان دو پاٹوں: اقتصادی سرمایہ داری اور علمی سرمایہ داری کے بیچ میں پس کر رہ گئے تھے۔ امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ نے ان کی حالت کا دردناک نقشہ حجۃ اللہ البالغہ میں کھینچا ہے۔ وہ چشم عبرت بین کے لئے دیدہ کشا ہے!

ان حالات کا چربہ اس زمانے میں مکے کی زندگی میں وہاں کے فارغ البال لوگوں نے پیدا کر رکھا تھا۔ یہاں بھی روسا کا ایک طبقہ تھا جس نے عوام الناس کو اقتصادی لحاظ سے اور "پروہتوں" کے گروہ نے ذھنی لحاظ سے غلام بنا رکھا تھا۔

دنیا کی یہ حالت تھی جب حضرت نبی اکرم ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا۔ قرآن حکیم نے اس حالت کا نقشہ ان بلیغ الفاظ میں کھینچا۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (الروم ۳۰-۴۱)

(لوگوں کے کرتوت کی وجہ سے خشکی وتری میں فساد برپا ہو چکا تھا۔)

اس کے متعلق امام ولی اللہ فرماتے ہیں کہ:

فَلَمَّا عَظُمَتْ هٰذِهِ الْمُصِيبَةُ وَاشْتَدَّ هٰذَا الْمَرَضُ سَخَطَ عَلَيْهِمُ اللّٰهُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَكَانَ رِضَاهُ تَعَالٰى فِي مُعَالَجَةِ هٰذَا الْمَرَضِ بِقَطْعِ مَادَّتِهِ (حجۃ اللہ البالغہ، جلد اول، ص ۱۰۶)

(یعنی جب یہ مصیبت یعنی اقتصادی لوٹ کھسوٹ حد کو پہنچ گئی اور مرض نے شدت پکڑی تو خدا تعالیٰ اور اس کے مقرب فرشتے سخت ناراض ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت نے فیصلہ کیا کہ اب اس میں اصلاح حال کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔) اس لئے اس مرض سے انسانیت کو نجات دلانے کے لئے اس کا مادہ کسریٰ اور قیصر کی حکومت ہی جسم انسانیت سے کاٹ کر پھینک دیا جائے) اس انقلاب عظیم کے برپا کرنے کے لئے:

بَعَثَ نَبِيّاً اُمِّيّاً صَلَى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُخَالِطِ الْعَجَمَ وَالرُّوْمَ وَلَمْ يَتَرَسَّمْ بِرُسُوْمٍ وَجَعَلَهُ مِيْزَانًا يُعْرَفُ بِهِ الْهُدٰى الصَّالِحُ الْمَرْضِيُّ عِنْدَ اللهِ مِنْ غَيْرِ الْمَرْضِيِّ۔۔۔۔ وَقَضٰى بِزَوَالِ دَوْلَتِهِمْ بِدَوْلَتِهٖ وَرِيَاسَتِهِمْ بِرِيَاسَتِهٖ بِاَنَّهٗ هَلَكَ كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهٗ وَهَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهٗ (ایضاً)

(اللہ تعالیٰ نے اس نبی کو مبعوث فرمایا جو ان پڑھ تھا (ﷺ) اور جو ایرانی اور رومی رسم و رواج سے آزاد تھا۔ اسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت صالح کے لئے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے معیار مقرر کیا۔ تاکہ اسے دیکھ کر ناپسندیدہ کا علم ہو۔ اور فیصلہ کیا کہ اس نبی ﷺ کی حکومت کے ذریعے سے کسریٰ و قیصر کی حکومتوں اور اس کی لیڈر شپ کے ذریعہ سے اُن کی لیڈر شپ کو ختم کر دیا جائے تاکہ کسریٰ و قیصر ہلاک ہو جائیں اور پھر انکی کسرویت و قیصریت نہ رہے)

آج یورپ میں اور اس کے سیاسی اور فکری محکوم ملکوں میں چند بالائی طبقوں کی مالی بلندی اور عوام کی معاشی پستی کی جو حالت ہے اور اس کے نتیجے کے طور پر اخروی زندگی سے جو "بے نیازی" اور غفلت ہے وہ رومی اور ایرانی حکومتوں کے بالکل مشابہ ہے۔ اور ان بالائی طبقوں کی ذہنیت اور عوام سے انتفاع کے اصول وہی ہیں جو ان دو حکومتوں میں تھے۔ امام ولی اللہ دہلویؒ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ : وَمَا تَرَاهُ مِنْ مُلُوْكِ بِلَادِكَ يُغْنِيْكَ عَنْ حِكَايَاتِهِمْ (یعنی تمہارے اپنے ملک کے امراء اور حکام کی جو حالت ہے اسے دیکھ لو تو تمہیں دوسرے ملکوں کے امراء اور حکام کی حالت دیکھنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی) یہ فقرہ آج بھی اتنا ہی صحیح ہے جتنا امام ولی اللہ دہلویؒ کے زمانے میں تھا۔ آج بھی ہندوستان کی وہی حالت ہے کہ ایک طرف ایک چھوٹا سا سرمایہ دار اور سرمایہ پرست طبقہ ہے جس کی آمدنی ہزاروں سے لے کر کروڑوں تک ہے۔ دوسری طرف وسیع مفلس طبقہ ہے، جس کی آمدنی صرف چند آنے ماہانہ ہے! طبقہ بالادست نے زیردست طبقے کو قابو میں کیا ہوا ہے اور زیردست طبقہ اپنے انسانی حقوق کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے کی طاقت رکھنا تو ایک طرف یہ سمجھنے کی استعداد بھی نہیں رکھتا کہ اس کے انسانی حقوق کیا ہیں اور اس کے فرائض کیا ہیں؟ قرآن حکیم نے آکر بتایا کہ زمین میں جو کچھ ہے وہ بلاامتیاز سب انسانوں کے لئے ہے۔

خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعاً (۲:۲۹) (جو کچھ زمین میں ہے وہ سب تم سب کے لئے ہے)

انسانوں کے کسی خاص طبقے کے لئے نہیں ہے۔ اس لئے ہر ایک شخص کو اس میں سے اس کی ضرورت کے مطابق حصہ ملنا چاہئے۔ جو لوگ ذرائع پیداوار پر قبضہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور محتاجوں کو ان کی ضرورت کے مطابق فائدہ اٹھانے کا موقعہ نہیں دیتے، وہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی قدر نہیں کرتے۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ کی نعمتوں کو ٹھیک طور پر استعمال کر کے کس بلند درجے پر پہنچ سکتے ہیں! اور اب ٹھیک طرح استعمال نہ کر کے کس گڑھے میں

گرے جارہے ہیں! سوسائٹی کے ایک بڑے حصے کی ضرورتوں سے انسان کس طرح اندھا ہوجاتا ہے اور پھر اس غفلت سے کس قدر نقصان اٹھاتا ہے!

اگلے صفحات میں جن دو سورتوں کی تشریح کی گئی ہے، ان میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ فارغ البال لوگوں کا فرض ہے کہ وہ کھانے پینے کے معاملے میں اپنے محتاج بھائیوں کی خبر گیری کریں۔ لیکن کسی محتاج کو چند لقمے دے کر اس کا پیٹ بھر دینا خبر گیری میں داخل نہیں ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو لکڑیاں بیچ کر خود کمانا سکھایا۔ یہ ہے اصل میں محتاجوں کی خبر گیری کرنا۔ آج کل ہماری سوسائٹی میں جس ذلیل طریق سے محتاجوں کو ٹکڑہ دیا جاتا ہے یہ ان کو تباہ کرنے کا بدترین ذریعہ ہے۔ ضرورت ہے کہ محتاجوں کی خبر گیری کے لئے جابجا منظّم محتاج خانے ہوں۔ جہاں محتاجوں کو اس طرح کھلایا پلایا جائے کہ ان کی انسانیت کو صدمہ نہ پہنچے۔ اور جو لوگ کام کر سکتے ہیں ان کے لئے کام بہم پہنچایا جائے، یا ضرورت ہو تو ان کے لئے آلات کار بہم پہنچائے جائیں۔ یہ ہے انکی خبر گیری۔

اس انقلاب کے لئے قرآن حکیم مساکین کی اجتماعی تنظیم کا پروگرام پیش کرتا ہے۔

قرآن حکیم کمزور انسانی افراد کو انسانی اجتماع میں یہ حقوق کیوں دیتا ہے؟ یعنی وہ مرفہ الحال لوگوں کو کیوں مجبور کرتا ہے، کہ اپنی کمائی میں سے ایک حصہ محتاجوں اور مسکینوں کے لئے ضرور نکالیں جو ان کا حق قرار دیا گیا ہے؟[1] اس کا سبب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرد انسانی کی ساخت کچھ ایسی رکھی ہے کہ وہ اجتماع ہی میں آگے بڑھ سکتا ہے۔ انفرادی زندگی میں اسے اپنی پوشیدہ قوتوں کو بروئے کار لانے کا موقعہ نہیں ملتا اور وہ جلد کمزور اور بے ہمت (Atrophied) ہو کر رہ جاتا ہے۔ فرد کی حالت انجماد کا اثر اجتماع انسانی کے دوسرے افراد پر خود بخود پڑتا رہتا ہے۔ اس لئے اجتماع کو ان مضر اثرات سے بچانے کے لئے افراد کی خبر گیری ضروری ہے۔ جو اجتماع محتاجوں کی خبر گیری نہیں کرتا وہ توڑ دینے کے قابل ہے۔ اصل میں اس کا نام "اجتماع" رکھنا ہی ظلم ہے۔ اجتماع فقط افراد کی خبر گیری کے لئے پیدا ہوتا ہے۔ اگر وہ افراد کی خبر گیری نہیں کرتا تو وہ برباد کر دیئے جانے کے لائق ہے۔

محتاجوں کی خبر گیری کے لئے قرآن حکیم نے زکوۃ مقرر کی ہے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ زکوۃ کا موجودہ نصاب اس زمانے میں مقرر ہوا تھا جب بیت المال عام لوگوں کی خبر گیری کرنے پر قادر تھا۔ اگر مسلمانوں کی زکوۃ کی آمدنی افراد کی خبر گیری کے لئے ناکافی ہو تو ہر ایک سرمایہ دار کا سارے کا سارا سرمایہ لے کر اس کام میں صرف کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] وَفِيٓ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ (یہ اس شخص کا حق ہے جس کی حالت سوال تک پہنچ جائے اور جو اسباب معاش سے محروم ہو گیا ہو (الذاریات: ۵۱:۱۹)

افراد کو اجتماع میں رکھ کر قرآن حکیم ان کے اندر بعض اخلاق [1] کی تکمیل کرنی چاہتا ہے، ان اخلاق کی تکمیل سے انسان کے نفس کے اندر ایسی کیفیات جمع ہو جاتی ہیں، جن کا مجموعہ (Sum total) انسانی معاشرے (Society) کو بلند کر دیتا ہے۔ اور یہی کیفیات اس کے مرنے کے بعد کی زندگی میں اس کے لئے مفید ثابت ہوتی ہیں۔

امام ولی اللہؒ، انسان کی زندگی کو ایک اکائی مانتے ہیں جس کا ایک حصہ اس دنیاوی زندگی میں گزارا جاتا ہے اور دوسرا حصہ اسی سے پیدا ہوتا ہے اور پھر اس کے اوپر بھی ترقی جاری رہتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی سوسائٹی میں رہتے ہوئے اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کے جو اثرات اپنے نفس کے اندر جمع کرتا ہے وہی اگلی زندگی میں جاکر اس کے لئے جنت کی زندگی پیدا کر دیتے ہیں۔ اور وہ اعمال بد اور اخلاق رذیلہ کے جو اثرات جمع کر لیتا ہے وہ اس کے لئے جہنم کی زندگی پیدا کر دیتے ہیں۔ پس قرآنی انقلاب کا منشا صرف یہ ہے کہ معاشرہ انسانی میں اچھے اخلاق کی حکومت ہو۔ یعنی وہ جماعت حکمرانی کرے جو قرآن کے تجویز کردہ مذکورہ بالا اخلاق لوگوں میں پیدا کرے۔ قرآن حکیم یہ اخلاق خارج سے انسانوں کے سر تھوپتا نہیں، بلکہ یہ اخلاق خود فطرت انسانی کے تقاضے ہیں جن کو اسے سوسائٹی میں رہ کر پایہ تکمیل کو پہنچانا چاہئے۔ قرآن حکیم ان اخلاق کے لئے مشق کے طریقے بھی تجویز کرتا ہے اور مواقع بھی بہم پہنچاتا ہے۔ جو جماعت یہ اخلاق اپنے اندر پیدا کرے گی وہ بدنی اخلاق اور عملی طہارت کو اپنا شعار بنائے گی۔ وہ خدا کے ساتھ تعلق پیدا کرے گی اور اسباب کو استعمال کرتی ہوئی بھی صرف خدا پر بھروسہ کرے گی۔ اور اس کام سے وہ کوئی ذاتی نفع جوئی نہیں کرے گی بلکہ اس کا مطمح نظر صرف خدمت خلق (محتاجوں کی خدمت) ہوگا۔ کیونکہ یہ خوشنودی خدا کا موجب ہے۔ اس غرض کے حصول کے لئے وہ ایسا عدل قائم کرے گی، جو سوسائٹی کے کسی خاص طبقے کو فائدہ نہیں پہنچائے گا، بلکہ سب طبقات کی ضرورتیں پوری کرنے کا کفیل ہوگا۔ چنانچہ وہ ذی استطاعت لوگوں پر حسب ضرورت ٹیکس لگائے گی اور اس طرح جو آمدنی ہوگی وہ مساکین اور غربا میں تقسیم کرے گی۔

یہ قرآنی انقلابی جماعت جب بر سر اقتدار آئے گی تو وہ یقیناً ان لوگوں سے باز پرس کرے گی، جو عدالت کی راہ میں حائل ہوں گے۔ یا جو طہارت اور دیگر اخلاق فاضلہ کی خلاف ورزی کریں گے اور عوام کو خدا تعالیٰ کی طرف جانے والے چھوٹے سے چھوٹے راستے۔۔۔ صراط مستقیم۔۔۔ سے روکیں گے۔ یہ جماعت ہر ملک میں پہلے قومی پیمانے پر کام کرے گی، لیکن انسانیت کے اصولوں کو پیش نظر رکھے گی اور بین الاقوامی خلافت کے مقام پر پہنچ کر بھی کسی خاص قوم یا خطے کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر کام نہ کرے گی۔ بلکہ تمام نوع انسانی کی انسانی ضرورتوں کے مطابق

---

[1] امام الائمہ امام ولی اللہ، کے نزدیک قرآن جن اخلاق کی تکمیل چاہتا ہے وہ چار اساسی اخلاق ہیں یعنی (۱) اخبات (۲) طہارت (۳) سماحت (۴) عدالت۔ ان کی تفصیل کے لئے ان کے رسالہ ھمعات (شائع کردہ بیت الحکمت لاہور) کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ ان کا اجمالی ذکر سورۂ مدثر میں بھی کیا گیا ہے۔

حکم کرے گی۔اس جماعت کی پیدا کردہ قومیتیں صحیح بین الاقوامی اجتماعیت پیدا کرنے کا باعث بنیں گی۔

یہ ہے وہ بین الاقوامی انقلاب جو قرآن حکیم پیدا کرنا چاہتا ہے اور یہی مدعا ہے اس دعا کا جو ہر انسان کو مانگنی چاہئے کہ وَّاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا (۲۵:۷۴) (ہم کو بین الاقوامی انصاف کرنے والوں کا لیڈر بنا)۔

قرآن حکیم نے جس بین الاقوامی انقلاب کی طرح ڈالی، اس سے پہلے سینکڑوں قومی انقلابات ہر ملک اور ہر قوم میں آئے لیکن قرآن حکیم جس نوعیت کا جامع انقلاب لانا چاہتا ہے، اس نوعیت کا انقلاب اب تک رونما نہ ہوا تھا۔اس لئے اس کی نوعیت کو سمجھنا آسان نہ تھا۔اگر قرآن حکیم کسی خاص ملک یا قوم کے مقامی انقلاب کو عنوان بناکر اپنے بین الاقوامی انقلاب کا تصور دلاتا تو اس بین الاقوامی انقلاب کے خدوخال پوری طرح ذہن نشین نہ ہوسکتے۔کیونکہ ایک قوم کے قومی انقلاب کو صرف وہی قوم سمجھ سکتی ہے، جس میں وہ انقلاب آیا۔دوسری قومیں اسے نہیں سمجھ سکتیں اور نہ اس سے عبرت حاصل کرسکتی ہیں۔

ان حالات میں قرآن کے لئے ضروری تھا کہ اپنے بین الاقوامی انقلاب کو روشناس کرانے کے لئے کسی ایسے فکر کو عنوان بناتا جو تمام اقوام میں معروف ہوتا اور وہ قیامت کا فکر ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک روز یہ کائنات منتشر ہوجائے گی،اس کے بعد خداوند تعالیٰ تمام انسانوں سے ان کے اعمال کی بازپرس کرے گا۔یہ فکر بہ ادنی تبدیلی تمام اقوام عالم میں مسلم ہے اور مسلّم رہا ہے۔چنانچہ حضرت نبی اکرم ﷺ کے زمانے تک یہودیوں اور عیسائیوں کی بدولت یہ فکر مہذب دنیا کے ایک بہت بڑے طبقے میں روشناس ہوچکا تھا۔پھر ہندوؤں میں بھی پُرلے، کا مسئلہ اس فکر کے قریب قریب موجود ہے۔اور اس طرح تمام دیگر اقوام میں یہ فکر کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔قرآن نے اپنے بین الاقوامی انقلاب کو روشناس کرانے کے لئے اسی فکر کو ذریعہ بنایا۔اس طرح قرآن حکیم یہ کہنا چاہتا ہے کہ جس طرح نوع انسانی پر ایک دن آنے والا ہے، جب اس کے افراد سے اس بارے میں بازپرس کی جائے گی کہ طاقتوروں نے کمزوروں کے حقوق کہاں تک ادا کئے اور کمزوروں کی خدمت کتنی کی۔اسی طرح دنیا میں قرآن حکیم کی علمبردار جماعت انہی اصولوں پر طاقتوروں سے بازپرس کرے گی۔چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نے اپنی پہلی تقریر میں جو انہوں نے عہدۂ خلافت پر قائم ہوتے وقت کی۔فرمایا، ”تم میں سے ہر کمزور طاقتور ہے جب تک میں اس کا حق نہ دلاؤں اور ہر طاقتور کمزور ہے جب تک اس سے کمزور کا حق نہ لیا جائے۔“ یہ انقلابی جماعت ساری نوع انسانی کے جملہ مفادات کی محافظ ہوگی۔ظاہر ہے کہ اس قسم کے عالمگیر یا انسانیت گیر انقلاب کی تشبیہ قیامت کے کائنات گیر انقلاب کے سوا اور کس انقلاب سے دی جاسکتی تھی؟ مگر افسوس ہے کہ اس انقلاب اور قیامت کا جو ربط ہے اسے سوچنے والے عالم بہت کم ملتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ قیامت کے انسانیت گیر حادثے سے پہلے قرآن کے جامع اور کامل انسانیت گیر حادثے کا ہونا ضروری ہے۔یعنی یہ ضروری ہے کہ انسانی مجامع کے اندر ایک

ایسی بین الاقوامیت پیدا ہو، جس میں تمام اقوام عالم شامل ہوں۔ اور اس مرکزی ادارے کے اوپر، جو اقوام کو کنڑول کرے، قرآن حاکم ہو۔ دنیا نے ایک مرتبہ یہ نظارہ حجاز میں دیکھ لیا ہے اور دوبارہ پھر دیکھے گی، جب اسے قائم کرنا اپنا فرض بنالے گی! اور اب کے اس تحریک کا آغاز اس جگہ سے ہوگا جہاں قرآن کا علم و فہم سب سے زیادہ ہوگا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

ہمارے مفسرین جب قرآن حکیم کی آیات کی تفسیر کرنے بیٹھتے ہیں، تو عموماً قرآن حکیم کے بیان کردہ واقعات کو بعض خاص واقعات واشخاص سے وابستہ کرکے تشریح کر ڈالتے ہیں اور اسے شان نزول کا بیان کہتے ہیں، چنانچہ اگلے صفحات میں جن دو سورتوں کی تشریح کی گئی ہے، ان کی بعض آیات کی توضیح مفسرین نے شخصی واقعات ہی کے رنگ میں کی ہے۔ اس بارے میں ہم امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے مسلک کے تابع ہیں جو فرماتے ہیں کہ :

"خاص واقعات کو جن کے بیان کرنے کی زحمت اٹھائی گئی ہے، اسباب نزول میں چنداں دخل نہیں ہے سوائے صرف بعض آیات کے جن میں کسی ایسے واقعے کی طرف اشارہ ہو جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یا اس سے پیشتر واقع ہوا۔ کیونکہ سننے والے کے دل میں اشارے سے ایک گہرا انتظار پیدا ہو جاتا ہے، جو قصے کی تفصیل معلوم کئے بغیر دور نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہم پر لازم ہے کہ ان علوم (تفسیر) کی اس طرح تفصیل کریں کہ فقط خاص خاص واقعات کے بیان کرنے کی تکلیف نہ کرنی پڑے۔ (فوز الکبیر فی اصول التفسیر)

مثلاً سورۂ مدثر میں آیات نمبر ۸۔۲۵ میں سرمایہ پرست اشخاص کا نفسیاتی تجزیہ (Psychological Analysis) کیا گیا ہے۔ ان آیات کو نبی اکرم ﷺ کے زمانے کے ایک منکر ولید بن مغیرہ سے وابستہ کرکے فارغ ہو جانا کافی نہیں۔ بلکہ ان آیات کو ہر زمانے پر چسپاں کرکے دیکھا جائے۔ اور ہر شخص اپنی ذہنیت کا جائزہ لے کر فیصلہ کرے کہ وہ کہاں تک اس سرمایہ پرستانہ ذہنیت میں مبتلا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اسلامی تاریخ کے اس دور میں جب ہمارے امراء نے، عوام کی طرف سے جواب طلبی سے بچنے کی کوشش کی بعض علماء نے ان آیات کو عہد نبوی کے اشخاص و واقعات سے وابستہ کرکے عوام میں یہ غلط تصور پیدا کر دیا کہ ان آیات کا اطلاق عام نہیں ہو سکتا، اس پر طرہ یہ کہ اس ذہنیت کے پیدا کر دینے کے ساتھ ہی اس قسم کی تعلیم بھی دینی شروع کر دی کہ : مَا اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ فَادْفَعُوْهَا اِلَيْهِمْ یعنی جب تک امراء اور حکام صرف نماز پڑھتے رہیں، ان کو زکوٰۃ ادا کرتے رہو) ان کو معلوم نہیں کہ : جو امیر محتاجوں کی خدمت نہیں کرتا وہ روح زکواۃ کا منکر ہے اور ایسے شخص کی نماز صحیح نہیں ہوتی۔ اس لئے تنہا نماز قائم کرنے کو دین کا مدار نہیں بنایا گیا۔ اس کے لئے یہ آیت کریمہ سامنے رکھنی چاہئے۔ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ (یعنی ان کو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی بندگی کریں خالص کر کے، اس کے واسطے بندگی، ابراہیمؑ کی راہ پر، اور قائم رکھیں نماز اور دیں زکواۃ اور یہ ہے راہ

مضبوط لوگوں کی) (۹۸ : ۵)

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امراء تو اپنی غیر ذمہ دارانہ حرکات سے کیا باز آتے عوام کو ٹیکس ادا کرتے رہنے پر مجبور کر دیا گیا۔ جن سے امراء عیش بلکہ عیاشی کی زندگی بسر کرتے رہے، اور رفتہ رفتہ عوام کے دلوں سے انقلاب کا تصور اور امراء سے جواب طلبی کا وہم تک جاتا رہا۔ حالانکہ بقول علامہ جصاص الرازی الحنفی، حضرت نبی اکرم ﷺ کے لئے بھی اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنا واجب تھا۔ ضرورت ہے کہ آج پھر مسلمان اس بھولے ہوئے سبق کو یاد کر لیں کہ ہمارے ملک کے امراء اور حکام ہمارے آگے جوابدہ ہیں۔ یہ وہ کلمہ حکمت ہے جسے اہل امریکہ نے ایک حد تک سمجھا اور اعلان کیا کہ (No taxation without represntation) جو لوگ ہمارے سامنے جوابدہ نہیں ہیں ان کا کوئی حق نہیں کہ وہ کوئی ٹیکس وصول کریں)۔ شہریت (Citizenship) کا یہ وہ ابتدائی اصول ہے، جس کی معقول ترین صورت اسلام نے پارٹی پالیٹکس (Party Politics) کی شکل میں پیش کی ہے اور جس کی عملی شکل خلافت راشدہ کا عہد مبارک تھا۔ [1]

الغرض قرآن حکیم کی تعلیم انقلابی تعلیم ہے۔ اس انقلاب کا پہلا مطمح نظر قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کی بربادی تھی اور اس کا دائمی منشاء اس کے قانون کا غلبہ ہے جس کا ایک اہم ذریعہ مساکین کی تنظیم ہے۔ یہ وہ حشر خیز اصول ہے جس سے دنیا میں قرآنی انقلاب کی قیامت صغریٰ برپا ہوتی ہے۔ اور جس کے بعد قرآن کی حامل جماعت فارغ البال غاصب طبقوں سے جواب طلبی کرتی ہے۔ حجاز میں یہ نمونہ انقلاب ایک دفعہ رونما ہو چکا ہے جن کی آخری لہریں بعض ملکوں میں اب تک ہچکولے لے رہی ہیں۔ اگر یہ درست ہے کہ اسلام ہمیشہ انسانیت کے کچلے ہوئے طبقات میں ظاہر ہوا ہے اور اب پھر ایسے ہی طبقات میں رہ گیا ہے تو اگر مسلمان ہوشیار ہو گئے تو دنیا کو ایک انقلاب عظیم کی توقع رکھنی چاہئے، جو نہ صرف جامع ہو گا بلکہ عالمگیر بھی ہو گا۔ اور وہ انقلاب قرآن حکیم کے اصولوں پر ہو گا۔ ممکن ہے کہ امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے طریقے کا ہندوستانی مسلمان بھی اس انقلاب میں اچھا خاصہ حصہ لے۔ اب ہمارے ملک کے حاملین قرآن کا فرض ہے کہ وہ زمانے کی نبض پہچانیں۔ اور امام ولی اللہ دہلویؒ حکمت کو سمجھ کر قرآن حکیم کو اپنائیں جو اس دور حکمت میں جامع اور عالمگیر انقلاب برپا کرنے والی واحد کتاب ہے۔

دارالرشاد، گوٹھ پیر جھنڈہ
ضلع حیدرآباد (سندھ)
944 ہندی

عبیداللہ سندھی

---

[1] بقول امام الائمہ امام ولی اللہؒ، یہ زمانہ شہادت عثمانؓ تک ہے۔ (ازالۃ الخفاء، ص ۱۲۱)

تفسیر سورہ المزمل

رفقاء انقلاب کی تیاری

پیرایہ آغاز: انقلاب! انقلاب! انقلاب! اے انقلاب!

فطرت انسانی کے تقاضے۔۔۔ خدا پرستی۔۔۔۔۔۔ سے انکار کرنے والے سرکشوں کی گردن توڑنے والا انقلاب! ۔۔۔۔ فطرت انسانی کی تکمیل کرنے والی کمزور قوموں کو سر بلند کرنے والا انقلاب! ۔۔۔۔ ظالموں سے باز پرس کرنے والا انقلاب! ۔۔۔۔ اجتماع انسانی کی مادی اور روحانی امراض سے پاک کرنے والا انقلاب! ۔۔۔۔ فطرت انسانی کا وہ گوہر نایاب انقلاب جسے وہ کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتی!

معاشرۂ انسانی اپنے ابتدائی دور میں ایک خاص نہج پر چل رہا تھا کہ، نباض فطرت انسانی حضرت ابراہیم علیہ السلام، نے اسے نئی ترقی یافتہ بنیادوں پر قائم کیا۔ ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہی اصولوں پر کام کیا، جس کی طرح، انبیاء کے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام ڈال گئے تھے۔

صدیاں گزر گئیں! ابراہیمی انقلاب کے اصول، تجربے میں آتے آتے انسانیت میں مسلم ہوگئے اور ترقی یافتہ نوع انسانی نے ان کے مطابق فطرت ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

اب انسانی رہنمائی کے لئے آخری اور دائمی ہدایت نامے کی ضرورت تھی۔ جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ قرآن حکیم کی شکل میں لائے۔ اس میں وہ تمام اصول حیات اور ضوابط جمع کر دیئے گئے ہیں، جن پر انسانی فطرت قائم ہے۔ ان کو بروئے کار لانے اور روئے زمین پر مستحکم طور پر قائم کرنے کے لئے جن ابتدائی قواعد کی ضرورت ہے ان میں سے چند قواعد سورۂ مزمل میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان اصولوں پر پہلے جزیرہ عرب میں اور پھر اہل عرب کی مدد سے دنیا کے باقی حصوں میں انقلاب برپا ہوا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ :

(۱) يَاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ (اے مزمل !)

لفظ مزمل کی کئی تشریحات کی گئی ہیں۔ بعض نے اس کے معنی کئے ہیں۔❶ اَلْمُزَمِّلُ فِىْ ثَوْبِهٖ وَذٰلِكَ عَلٰى سَبِيْلِ الْاِسْتِعَارَةِ ... (یعنی "کپڑوں میں لپٹا ہوا" جو بطور استعارہ ہے اور اس میں کنایہ اس طرف ہے کہ وہ شخص کام کرنے میں قصور کرتا ہے۔ اور سستی سے کام لیتا ہے اور یہ اسے گویا تعریض کے طور پر کہا گیا ہے)

لیکن اس شخص کے متعلق جو اپنے فکر اور اپنی قوت کے ساتھ انسانیت عامہ کو ترقی دینے، خلق اللہ کی خدمت کرنے اور ان کا تعلق اللہ سے جوڑنے کے لئے اتنا بے تاب تھا کہ قرآن حکیم کو کہنا پڑا کہ :

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۝ (۲۶:۳)

(یعنی یہ جو تیرے پیش کردہ لائحہ حیات (Programme of life) کو نہیں مانتے تو کیا ان کی خاطر اپنی جان ہلکان کر ڈالے گا؟)

اور جس کا یہ حال تھا کہ اللہ کی مخلوق کو راہ ہدایت دکھانے کا، بوجھ اٹھائے اس کی کمر دُہری ہوئی جاتی تھی۔

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ۝ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ۝ (۹۴:۳)

(اور ہم نے تیرا بوجھ اتار دیا جس نے تیری کمر کو دہرا کر رکھا تھا)

اور جو لوگوں کو راہ راست پر لانے کے راستے معلوم کرنے کے لئے بے قرار تھا :

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى۝ (۹۳:۷) (اور اس نے تجھے تلاش میں گم پایا اور پھر تجھے ہدایت دی)

اس کی نسبت یہ گمان کرنا کہ وہ اپنے کام میں سست اور کاہل تھا۔

ع یہ سوء ظن ہے ساقی کوثر کے باب میں !!

پس لفظ مزمل کے وہ معنی لئے جانے چاہئیں جو اس سورت اور حضرت نبی اکرم ﷺ کی سیرت مبارک کے مناسب ہوں۔

المزمل کی پہلی تشریح :

(الف) موطا امام مالکؒ میں ایک روایت آتی ہے کہ :

❶ المفردات القرآن للراغب الاصفہانی

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ مُحَمَّدِ بِنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لِيْ خَمْسَةُ اَسْمَاءَ اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ، وَاَنَا الْمَاحِيُ الَّذِيْ يَمْحُوا اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ، وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِيْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمِيَّ وَاَنَا الْعَاقِبُ

(یعنی حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ میرے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے اور میں حاشر ہوں کہ لوگ میرے قدموں میں اٹھائے جائیں گے اور میں عاقب ہوں۔)

علماء کرام نے حضرت نبی اکرم ﷺ کے بیسیوں نام گنوائے ہیں تو ان پانچ ناموں کی خصوصیت کیا ہے؟ ذرا تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ نام ہیں جو قرآن حکیم میں آئے ہیں۔ چنانچہ محمد اور احمد تو صاف مذکور ہیں:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (۴۸:۲۹) اور: يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (۶۱:۶) میں۔

الحاشر کی معنی:

الحاشر کی تشریح کرتے ہوئے امام الائمہ امام ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: قيل معنى قوله على قدمى انه امامهم يوم الحشر يحتاجون الى شفاعته (المسوی جلد ۲ ص ۵۱۶ باب اسماء النبی ﷺ)

یعنی حضرت نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد کی کہ "میرے قدموں میں اٹھائے جائیں گے" کے یہ معنی ہیں کہ آپ ﷺ یوم حشر میں ان کے امام ہوں گے اور لوگ ان کی شفاعت کے محتاج ہوں گے۔

اس سے ظاہر ہے کہ الحاشر کے معنی ہیں جمع کرنے والا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں آیا ہے:

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ (النمل: ۲۷:۱۷) (یعنی سلیمانؑ کے لئے اس کے لشکر جمع کئے گئے)

نیز قرآن حکیم میں الحشر نام کی ایک سورت بھی ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں:

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ (۵۹:۲)

حضرت امام الائمہ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

"اوست آنکہ برآورد آنان را کہ کافر شدند از اہل کتاب از خانہاے ایشاں در اول جمع کردن لشکر (فتح الرحمان)

(یعنی وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کفر کرنے والوں کو پہلی مرتبہ لشکر جمع کرنے کے وقت میں گھر سے نکالا)

یہاں اول الحشر سے مراد نبی اکرم ﷺ کا پہلا جارحانہ حملہ ہے جو آپ نے ۴ھ میں بنی نضیر [1] پر کیا۔ گویا

[1] عام طور پر کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی جنگیں مدافعانہ تھیں جارحانہ نہ تھیں۔ عیسائی مشنری (Missionaries) یہ پراپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں کہ اسلام وحشیانہ مذہب ہے جس میں قتل وخونریزی اور غارتگیری کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس قسم کے پراپیگنڈہ سے متاثر ہو کر مسلمان علمانے بیسویں صدی عیسوی

الحاشر کے معنی ہیں لوگوں کو جمع کرنے والا۔ اسی طرح المزمل کے معنی ہیں زمیلوں کو جمع کرنے والا، یعنی قرآن کی انقلابی تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے انقلابی عناصر کو جمع کرنے والا، یا اس تحریک کے لئے جس قسم کے رفقاء کار کی ضرورت ہے اس قسم کے رفیق جمع کرنے والا۔ ❶

نبی اکرم ﷺ زمیل (رفقاء) تیار کریں گے :

(ب) اب لفظ 'المزمل' پر ایک اور نقطہ نگاہ سے نظر ڈالئے :

اونٹ کے کجاوے میں عموماً دو آدمی سوار ہوا کرتے ہیں، ایک، ایک طرف اور دوسرا، دوسری طرف، تاکہ بوجھ دونوں طرف برابر رہے۔ ان کو ایک دوسرے کے زمیل کہتے ہیں۔ اور مزاملہ کے معنی ہیں ایک دوسرے کا زمیل بننا۔ پس لغوی اعتبار سے بھی مزمل کے معنی ہوئے زمیل یعنی رفقاء راہ تیار کرنے والا۔ یعنی جتنا قرآن آپ ﷺ سمجھتے ہیں اتنا ہی دوسرے کو سمجھا کر انسانیت کی خدمت کے لئے تیار کرتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ جس محنت و مشقت سے وہ خود اپنے نصب العین کو کامیاب بنانے کی کوشش کرتے ہیں اسی محنت و مشقت سے آپ ﷺ کے ساتھی بھی اسے کامیاب بنائیں۔ لفظ مزمل میں مبالغہ بھی پایا جاتا ہے، جس سے کثرت کے معنی ظاہر ہوتے ہیں، یعنی کثرت سے زمیل۔ رفقاء راہ۔۔۔ تیار کرنے والا۔ گویا جو شخص آپ سے ایک آیت ❷ بھی سیکھ لیتا ہے، وہ اسی حد تک آپ کا زمیل بن جاتا ہے۔

یہ جو زمیل تیار ہوں گے یہی آگے چل کر آپ کی فوج کے سپاہی بن جائیں گے۔ اور پھر آپ کے بعد آپ کی نیابت کریں گے۔ اور خلافت چلائیں گے اس تزمیل سے اجتماع (یعنی الحشر) پیدا ہوگا۔

انقلاب کے شروع میں رفقاء ہی تیار کئے جاتے ہیں :

جب حکومت منظم ہو جاتی ہے تو آدمی دو قسم کے ہو جاتے ہیں یعنی حکم دینے والے اور حکم ماننے والے۔ لیکن نئی حکومت پیدا کرنے کے لئے جو انقلاب پیدا کیا جاتا ہے اس میں شروع شروع میں اس قسم کی تمیز نہیں ہو سکتی پہلی

کے شروع میں یہ نظریہ پیش کرنا شروع کر دیا کہ اسلام کی جنگیں ہمیشہ مدافعانہ رہی ہیں، اس نے کبھی کوئی اقدامی حملہ نہیں کیا مگر درحقیقت یہ رکیک عذر داری سے بڑھ کر نہیں ہے۔ سوا یہ ہے کہ اسلام میں جنگ جائز ہے یا نہیں؟ اگر اسلام جنگ کو جائز قرار دیتا ہے (اور اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ وہ جنگ کو جائز بلکہ ضروری قرار دیتا ہے) تو اس کے بعد یہ افسر جنگ کے اختیار تمیزی (Siscretion) پر موقوف ہوتا ہے کہ وہ خود آگے بڑھ کر حملہ کرے یا غنیم کے حملے کی محض مدافعت کرے۔ ظاہر ہے کہ اس کا قرآن کے فیصلے سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔

❶ الماحی کے لئے دیکھو سورۃ المدثر میں لفظ مدثر کی تشریح اور العاقب کے معنی حضرت امام الائمہ نے بیان کئے ہیں کہ آپ آخری نبی یعنی خاتم النبیین ہیں۔

❷ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَةً یعنی ایک آیت بھی مجھ سے سیکھ جاؤ تو اسی کی آگے تبلیغ کرو)

منزلیں صرف رفیق (Collegues) تیار کئے جاتے ہیں۔ مثلاً دو آدمی اپنے اپنے گھر سے کسی سمت کو سفر کرنے کے لئے نکلتے ہیں دونوں راستے میں مل جاتے ہیں یہ ایک دوسرے کے رفیق راہ ہیں۔ ان میں حقیقی معنوں میں کوئی افسری ماتحتی نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح انقلاب کی ابتدا میں صرف رفقاء راہ تیار کئے جاسکتے ہیں۔ اس کی صورت یوں ہوتی ہے کہ سب کے سامنے ایک نصب العین (Ideal) کھلے لفظوں میں پیش کردیا جاتا ہے، اس کو کامیاب بنانے کے لئے جو راستہ اختیار کرنا ہوتا ہے، وہ سخت خطرناک ہوتا ہے۔ سوسائٹی ان کے نصب العین کو پسند نہیں کرتی۔ ان کے گھر کے عزیز واقارب تک اس کے دشمن ہوجاتے ہیں، محلے والے دشمن ہوجاتے ہیں۔ گاؤں اور شہر والے دشمن ہوجاتے ہیں، پھر سارا ملک دشمن ہوجاتا ہے۔ اور اگر ملک میں کوئی حکومت ہو تو وہ بھی ان کی دشمن بن جاتی ہے۔ ان لوگوں کو اپنے نصب العین کی کامیابی کے لئے ان سب کی مجموعی دشمنی کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اگر انقلابی کارکن یہ سب کچھ سمجھ کر محسوس کرلیں کہ ان کا نصب العین اتنا دلچسپ اور بلند ہے کہ وہ اس کے لئے ان سب عداوتوں اور مصیبتوں کو برداشت کرسکیں گے اور اپنے نصب العین پر اپنا مال، اپنی جان، اپنے بیوی بچے، اپنے عزیز واقارب اپنا تمام مال ومتاع۔۔ غرضیکہ سب کچھ قربان کردیں گے تو ان کا کام آسان ہوجاتا ہے۔

اس راہ میں سب سے بڑا سنگ گراں مخالف حکومت کا ہوتا ہے، لیکن وہ کیا کرسکتی ہے؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہ پھانسی دے دے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں مصری جادوگر آئے لیکن جب وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو انہوں نے کیا کہا تھا؟ یہ ہی

لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الَّذِیْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ﴿۷۲﴾

(۲۰:۷۲)

(یعنی اے فرعون! یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہم تجھے ان دلائل وبراہین کے مقابلے میں جو ہم سمجھ چکے ہیں، ترجیح دینے لگیں اور تجھے اس ذات واحد سے بالاتر سمجھنے لگیں، جس نے ہمیں پیدا کیا۔ تو جو کچھ کرسکتا ہے کرگزر، اور حقیقت میں تو کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ تو ہماری اس چند روزہ دنیاوی زندگی کے متعلق کچھ کرسکتا ہے، تو جو کچھ تو کرنا چاہتا ہے کرگزر)

الغرض ایک انقلابی، گھر میں بیٹھ کر ایک بلند مقصد کے حصول کے لئے فیصلہ کرتا ہے اور پھر اس نصب العین کو لے کر گھر سے نکلتا ہے، وہ تلاش کرتا ہے تو اس نصب العین کے شیدائی کئی اور بھی مل جاتے ہیں، یہ اس کے رفقاء کار ہیں۔ جب یہ لوگ آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے کو ہم خیال پاکر اجتماعی طور پر کام کرنے لگ جاتے ہیں اور اس طرح ایک سوسائٹی (Society) پیدا ہوجاتی ہے۔

رفاقت کی پہلی منزل :

اس مرحلے پر سب سے مشکل چیز کیا ہوتی ہے؟ وہ یہ کہ ایک صاف تخیل (Ideal) پیش کر کے فیصلہ کرنا اور پھر اسے قبول کر کے چل نکلیں، تو ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرنا۔ یعنی رفقاء سمجھتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں رکھتے۔ فکر کو عمل میں لانے کے لئے جذبے کے لحاظ سے ہم سب برابر ہیں۔ انقلابی تخیل صاف ہو تو یہ بات آسان ہو جاتی ہے۔

رفاقت کی دوسری منزل :

اس کے بعد دوسرا مرحلہ آتا ہے۔ کہ تخیل (Ideal) کو ساتھیوں کے ذہنوں کی انتہا تک پہنچا دیا جائے اور وہ اسے اچھی طرح سمجھ کر فیصلہ کر لیں کہ وہ اس پر قربان ہو سکتے ہیں اور اپنا سب کچھ قربان کر سکتے ہیں؟ کیونکہ اگر بعد میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ اوہو! میں تو دھوکے میں رہا، میں تو یہ سمجھا تھا۔۔۔۔ مگر یہ تو بات ہی اور نکلی، تو سب کیا کرایا برباد ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا تعلق اپنے رفقاء کے ساتھ :

اس نقطہ نگاہ سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پوزیشن پر غور کیا جائے تو آپ کی دو حیثیتیں نظر آتی ہیں :

(۱) آپ نبی ہیں : آپ صاحب فکر ہیں اور ساتھ ہی خدا کے پیامبر بھی ہیں۔ خدا کا جو پیغام آپ کو پہنچتا ہے آپ کا فکر اسے جذب کر لیتا ہے۔ ناواقف لوگوں کو محسوس ہوتا ہے کہ آپ اپنی بات فرما رہے ہیں۔ پھر آپ وہ فکر دوسروں تک پہنچا دیتے ہیں یہ آپ کی ذاتی حیثیت ہے، جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا۔ یعنی آپ پیام قبول کرنے میں کسی کو شامل نہیں کر سکتے، نہ کسی کو رسول بنا سکتے ہیں۔ آپ کو جو پیام الٰہی پہنچا وہ حرف بحرف کتابی شکل میں دنیا کے سامنے موجود ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اس کے باہر کوئی وحی نہیں ہے، اب ہر قوم اپنا پروگرام اس آئین مکتوبی سے لے گی آگے جا کر وہ سب قومیں قرآن کی پوری تشریح میں مل جائیں گی۔

(۲) آپ معلم شفیق ہیں: آپ کی دوسری حیثیت فکر سکھانے والے کی ہے جس کا ذکر اس آیت میں بیان کیا گیا ہے : وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ الْحِكْمَةَ (الجمعہ۔ ۲) (یعنی انہیں قانون الٰہی اور اس کی حکمت سکھاتا ہے) آپ ﷺ خود فرماتے ہیں کہ اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا (الحدیث) (میں تو استاد بنا کر بھیجا گیا ہوں) معلم کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک چیز جانتا ہے جو وہ دوسروں کو برابر سمجھا دیتا ہے۔ اس علم کو پہلے سیکھنے اور بعد میں سکھانے کا جو طبعی فرق ہے وہ تو ہمیشہ

قائم رہے گا۔ لیکن علم سے جو روشنی پیدا ہوتی ہے اور اس سے کام کی جو ہمت پیدا ہوتی ہے اس میں ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا جب تک استاد کی تعلیم میں یہ طاقت نہ ہو اسے صحیح معنوں میں معلم نہیں کہا جاتا۔

ہم نے یہ مضمون خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے لیا ہے جن کے پاس دربار دہلی کا ایک امیر آ گیا۔ شاہی کارندوں نے اسے طلب کیا۔ وہ نہ گیا۔ بادشاہ نے کہلا بھیجا کہ کیا آپ اسے بھی اپنے جیسا (یعنی تارک الدنیا) بنادیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں اپنے سے بہتر بنانا چاہتا ہوں۔ یہ آپ ﷺ کی شان معلمی ہی تھی جس کی وجہ سے آپ کی محبت آپ کے صحابہ کے دلوں میں اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ تھی۔ یہ بات کسی حاکم کو حاصل نہیں ہو سکتی۔

الغرض المزمل کے معنی ہیں قرآن حکیم سمجھا کر زمیل یعنی رفقاء تیار کرنے والا۔

الحاشر کی تشریح فلسفہ ولی اللّٰہی کے مطابق :

حجۃ الاسلام امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے میں یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ انسانی حیات وحدانی چیز ہے، یہ جو دنیاوی زندگی شروع ہوئی ہے، یہی ترقی کرتے کرتے اخروی زندگی بن جائے گی اور اس زندگی میں انسان کے پہلے اعمال ہی ایک خاص شکل اختیار کر کے اس کے لئے جنت کی نعمتیں یا دوزخ کے عذاب کی صورتیں پیدا کر دیں گے۔

چنانچہ حضرت امام الائمہ فرماتے ہیں کہ :

فالتشبحات الْحَشْرِيَّةُ فِيْ حَقِّه اَتَمَّ وَاَوْفَرَ وَلِذَالِكَ اَخْبَرَ النَّبِيُّ صَلَی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ اِنَّ اَكْثَرَ عَذَابَ اُمَّتِه فِيْ قُبُوْرِهِمْ وَهُنَالِكَ اُمُوْرٌ مُتَمَثَّلَةٌ تَتَسَاوِیَ النُّفُوْسُ فِيْ مَشَاهِدَتِهَا كَالْهِدَايَةِ الْمَبْسُوْطَةِ بِبَعْثَتِه صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَتَشَبَّحُ حَوْضًا وَتَتَشَبَّحُ اَعْمَالَهَا الْمُحصاة عَلَيْهَاوَزنًا اِلَى غَيْرِ ذَالِكَ وَتَتَشَبَّحُ النَّعْمَةَ بِمَطْعَمٍ هَنِيٍّ وَمَشْرَبٍ مَرِيٍّ مَنْكَحٍ شَهِيٍّ وَمَلْبَسٍ رَضِيٍّ وَمَسْكَنٍ بَهِيٍّ۔ (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص ۳۷)

(یعنی حشر میں انسان کے اعمال اور اخلاق جو شکلیں اختیار کریں گے، وہ اس شخص کے حق میں پوری پوری طرح ظاہر ہوں گی، اس لئے حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ، میری امت کے عذاب کا اکثر حصہ قبروں میں پورا ہو جائے گا (یعنی میری امت چونکہ کمزور ہے اس لئے حشر کی تصویریں زیادہ نہیں بنیں گی لوگ تھوڑی ہی سی بات سے جلدی سمجھ جائیں گے)۔ حشر میں بعض کاموں کی شکلیں ظاہر ہوں گی جن کو تمام روحیں یکساں طور پر سمجھ سکیں گی۔ مثلاً حضرت نبی اکرم ﷺ کے نبی ہونے کے بعد جو فیض و ہدایت آپ کے ذریعے سے پھیلی وہ ایک حوض کی شکل میں ظاہر ہو گی (یعنی لوگوں نے دنیا میں حضرت نبی اکرم ﷺ سے جو فیض حاصل کیا اور اسے آگے

بڑھانے میں جو جد و جہد کی وہ ایک حوض کی شکل میں ظاہر ہو گی جس میں پانی ہو گا۔ یہی حوض کوثر ہے جو حقیقت میں قرآن حکیم سے استفادہ کا مظہر ہے) اور ان کے جتنے اعمال محفوظ ہیں وہ سب ترازو میں تلیں گے اور اچھے کھانوں، خوبصورت عورتوں، عمدہ لباسوں اور اچھے گھروں کی شکل میں ظاہر ہوں گے)۔ ایک اور جگہ عالم مثال کی کیفیت بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ :

وَسِرُّ هٰذِهِ الْوَاقِعَةِ تَمَثُّلُ الْاَعْمَالِ وَالْاَخْلَاقِ السَّيِّئَةِ وَالْحَسَنَةِ فِي الْمِثَالِ وَتَنَعُّمُ النَّفْسِ وَتَوَجُّعُهَا بِالْحَقَائِقِ الْمِثَالِيَّةِ

(البدور والبازغہ ص ۱۵۴)

یعنی اس میں راز یہ ہے کہ اچھے اور برے اخلاق عالم مثال میں پہنچ کر مثالی صوتیں اختیار کر لیتے ہیں۔ اور ایک جگہ واقعات حشر کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

درچوں ازیں موطن درگزرد عالمے دیگر پیش آید ورا درلسان شرع یوم المحشر گویند۔ وحقیقت آں موطن آنست کہ دریں نفوس ارضیہ بسیارے از احکام فردیہ کہ از اختلاط عناصر و زجہت مادہ ظلمانیہ پیدا شدہ برہم خورد۔ وایں نفس بمنزلہ جسم شفاف محاکات صورت نوعیہ نماید۔ واحکام صورت نوعیہ بطریق ظہور و غلبہ پدیدار شود چنانچہ در محسوسات صورت نوعیہ در افراد انسان تقاضا مے کند کہ یدین ورجلین و عینین و اذنین پیدا شوند لیکن گاہے عائقے از عوائق استعداد مادہ ازاں منع کند و چنین ناقص الخلقت اکمہ واقطع واسک پیدا شود اینمہ از قبیل مادہ است نہ از قبیل صورت نوعیہ۔ ہم چناں درامور معقولہ صورت نوعیہ رامقتضیات است از عقل سلیم کہ از غلاظت اوہام خبیثہ ملوث نہ شدہ و استعداد قبول علوم حقہ از مبدافیاض بروجہ آں داشتہ واز خیال صحیح کہ شئی رابصورت مناسبہ او کہ برطبق شکل عالم مثال است مشبح ساز دپس احکام فردیت فرونشینند واحکام نوعیہ غالب آیند ہمہ مقتضیات نوع در عقل و خیال برروئے کار آید وصورت فردیت قبول ظہور احکام نوع کند و باتم وجوہ محاکات آں نماید چنانکہ درافراد نوع ممکن نشود کہ بہتر ازآں احکام نوع ظاہر کند۔

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾ پس دریں موطن وقائع چند ظہور کنند از میزان و حساب و تجلی الٰہی و حضور و تطائر صحف اعمال بطرف یمین و شمال، و شہادت ایدی وارجل، صراط و ابیضاض وجوہ و اسود اداں و شفاعت رسل۔۔۔

میزان کیا ہے؟ :

پس میزان عبارت است از ظہور صورت مقدار اعمال حسنہ و سیئۂ و معرفتہ تاثیر ہر یکے از قبیلتین بشکلیکہ عالم مثال تقاضا کند از کفتین و مانند آں در میان عالم مثال و عالم شہادۃ آں معنی کہ اجسام خارجیہ شکل پذیر قوامی مثالیہ گردو۔۔۔۔

حوض کوثر کیا ہے؟ :

وحوض صورت ہدایت و رشدے است کہ از تجلی اعظم بر نفس نفیس حضرت پیغامبر ﷺ ریختہ است واز آنجا از راہ قوای پیغامبر در عالم شہادت جاری شدہ وادنی حوض صورت قدر ہدایاتے کہ افراد مسلمین قبول آں کردہ اند۔

تسنیم کیا ہے؟

عطیہ مقربین آب چشمہ تسنیم باشد کہ تمثال لذات عقلیہ است کہ از ادراک مجردات حاصل آید

(تفہیمات الٰہیہ جلد اول ص ۲۵۵۔ ۲۵۳ ملخصاً)

(یعنی "جب اس منزل سے گزر جائے، تو وہ ایک دوسرے عالم میں داخل ہوتا ہے، جسے شرع کی زبان میں حشر کا دن کہتے ہیں اور اس مقام کی حقیقت یہ ہے کہ ان نفوس ارضیہ کی بہت سی انفرادی باتیں جو عنصروں کے باہمی ملاپ اور کثیف مادے سے پیدا ہوئی تھیں جاتی رہتی ہیں، اور اب ہر ایک نفس شفاف جسم کی طرح نوعی امور کا عکس پیش کرتا ہے اور اس پر نوعی تقاضے ظاہر ہو کر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں، اس کی مثال یوں سمجھو کہ مادی دنیا میں انسان کی صورت نوعیہ تقاضا کرتی ہے کہ ایک فرد کے دو دو ہاتھ، پاؤں، آنکھیں اور کان ہوں لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مادے میں دو دو اعضاء پیدا کرنے کی استعداد نہیں ہوتی۔ اس وقت جو بچہ ہوتا ہے وہ لنجا، لنگڑا یا کانڑا یا بوچہ ہوتا ہے۔ اس ناقص الخلقت بچے کی پیدائش میں قصور مادے کا ہے نہ کہ صورت نوعیہ کا۔

"ایسے ہی غیر مادی زندگی کے امور میں صورت نوعیہ کے تقاضے ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ تقاضا کرتی ہے کہ انسان کے اندر ایسی عقل سلیم ہو کہ وہ اوہام کی غلاظت سے ناپاک نہ ہوئی ہو۔ اور اس پاکیزگی کے سبب سے وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے صحیح علوم لے سکے اور وہ یہ بھی تقاضا کرتی ہے کہ انسان کی قوت متخیلہ صحیح ہو۔ تاکہ وہ چیزوں کو عالم مثال کی کیفیت کے مطابق شکل دے سکے۔

"الغرض اس موطن میں جا کر انفرادیت کے احکام چھوٹ جاتے ہیں اور نوعی تقاضے غالب آجاتے ہیں۔ اور

عقل اور خیال کی قوتوں کے لحاظ سے نوعی تقاضے ظاہر ہونے لگتے ہیں اور فرد انسانی، نوعی تقاضوں کو ایسی پوری طرح ظاہر کرتا ہے کہ اس سے زیادہ اس سے ممکن نہیں ہوتا۔ یہ وہ کیفیت ہے جس کے متعلق قرآن حکیم کہتا ہے کہ : فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾ (۵۰-۲۲) (بیشک ہم نے تیرے پردے اتار دیئے ہیں اس لئے آج تیری نگاہ تیز ہے)

"چنانچہ اس موطن میں نفس انسانی کو بعض واقعات پیش آتے ہیں، مثلاً میزان، حساب، تجلی الٰہی، حوض کوثر، اعمال ناموں کا اڑ کر دائیں یا بائیں ہاتھ میں آ جانا، ہاتھ پاؤں کا انسان کے اعمال کی شہادت دینا، پل صراط پر سے گذرنا، چہروں کا سفید یا سیاہ ہو جانا، اور رسولوں کا شفاعت کرنا"۔

میزان: ان میں سے میزان سے مراد یہ ہے کہ عالم مثال میں انسان کے اچھے برے اعمال ایک خاص "مقدار" اختیار کر کے ظاہر ہوں گے اور ان کی خاص قسم کی تاثیر ظاہر ہو گی۔ اور یہ مقدار اور تاثیر عالم مثال کے "مادے" کے مناسب حال ہو گی۔ مثلاً ترازو وغیرہ جو عالم مثال اور عالم مادی کے بین بین ایک قسم کے مادے سے ظاہر ہو گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ مادی اجسام مثالی قوتوں کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔

حوضِ کوثر: "اور حوض سے مراد یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کے نفس مبارک پر تجلی اعظم سے جو ہدایت نازل ہوئی اور آپ کے قویٰ کے ذریعے سے دنیا میں پھیلی وہ وہاں حوض کوثر کی مثالی شکل میں ظاہر ہو گی اور اس حوض میں جو پانی پینے کے برتن ہوں گے، وہ تمام مسلمانوں کی قبول کردہ ہدایت ہو گی جو برتنوں کی شکل میں ظاہر ہو گی۔۔۔

تسنیم: اس عالم میں خدا کے خاص مقرب بندوں کو چشمہ تسنیم سے پانی پلایا جائے گا۔ یہ پانی کیا ہو گا؟ یہ مجردات ادراک سے حاصل شدہ عقلی لذات ہوں گی۔ جو پانی کی شکل میں انہیں پلائی جائیں گی۔ "

حوض کوثر اور دیگر انبیاء کے حوض :

و۔ اَلْحَوْضُ هِدَايَتُهٗ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجَسَّدَتْ هُنَاكَ مَاءً بِمُشَابَهَةٍ قَوِيَّةٍ بَيْنَ الْعِلْمِ وَالْمَاءِ وَأَرَىٰ اَنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضًا غَيْرَ اَنَّ حَوْضَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمُّ الْحِيَاضِ۔ (الخیر الکثیر ص ۱۱۴)

یعنی حوض کوثر اصل میں حضرت نبی اکرم ﷺ سے پھیلی ہوئی ہدایت ہے، جو عالم مثال میں جا کر پانی کی شکل اختیار کرے گی کیونکہ علم کو پانی سے خاص مشابہت ہے۔ میری رائے میں ہر ایک نبی کا جدا جدا حوض ہو گا۔ البتہ نبی اکرم ﷺ کا حوض سب سے بڑا ہو گا۔"

بیانات مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ جو لوگ اس دنیا میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر یا آپ کی تعلیمات اور نمونے کے مطابق انقلاب برپا کریں گے، وہ مرنے کے بعد کی زندگی میں آپ ﷺ کی امامت میں جمع ہو جائیں گے، ایسے ہی جو لوگ دوسرے انبیاء کرام کی معیت میں کام کر چکے ہیں، وہ اپنے اپنے نبی کی معیت حاصل کریں گے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ :

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ (۴: ۶۹)

(یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین پر۔ یہ بہت اچھے رفیق ہیں)

اب انقلاب عمومی حضرت محمد ﷺ ہی کی اتباع سے آسکتا ہے :

حنیفی اولوالعزم انبیاء علیہم السلام، مثلاً حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوشش کرتے رہے کہ تمام دنیا میں تورات کو پھیلا کر امامت کبریٰ (بین الاقوامی قیادت) حاصل کریں، لیکن یہ مقام محمود حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہی حاصل کر سکے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب انقلاب عمومی اپنے مختلف ادوار میں آپ کے اتباع سے باہر نہیں جا سکتا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جو انقلاب رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا خاصہ ہے، وہ ایک دن میں ساری دنیا میں نہیں پھیل سکتا۔ اس انقلاب کا پہلا حصہ وہ تھا جو خلافت راشدہ سے شروع ہو کر عباسی حکومت کے خاتمے تک کامیاب رہا۔ جب قریش میں اس انقلاب کو آگے بڑھانے کی طاقت نہ رہی تو اس انقلاب کے آگے بڑھنے کے لئے ایک اور قوم ایرانیوں کو ذریعہ بنایا گیا۔ لیکن قریش کے تنزل اور ایرانیوں کے عروج کا درمیانی وقفہ انقلاب کی "رات" تھی۔ اس میں نئی قوم تیار ہوئی۔ اس کے بعد ترکمانی قوموں نے اس انقلاب کو آگے بڑھایا اور پھر ہندوستانی قوم نے اسے اپنایا۔ اس طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر یہ انقلاب ساری دنیا میں کامیاب رہا۔ ان ٹکڑوں کو علیحدہ علیحدہ خیال کرنا غلطی ہے، یہ سب ایک سلسلے کی کڑیاں ہیں جب تک انسان روئے زمین پر قائم ہے، یہ انقلاب کسی نہ کسی شکل میں آگے بڑھتا رہے گا۔ اور آخر میں ایک ایسا زمانہ آسکتا ہے کہ تمام اقوام جو اس انقلاب سے مانوس ہو چکی ہوں، ایک سطح پر آ کر اس کے ماتحت مل جائیں۔ اس وقت یہ انقلاب عمومی، مکمل ہو گا۔

پس "المزمل" سے مراد وہ صاحب امامت کبریٰ ہے جس کے ماتحت تمام اقوام عالم جمع ہوں گی۔ یہ گویا الحاشر ہی کا دنیاوی مظہر ہے۔

المزمل کے دوسرے معنی 'امام ائمہ انقلاب'

(۲) اِزْتَمَلَ یا اِزْدَمَلَ کے دوسرے معنی ہیں، حمَلَ بِمَرَّۃٍ وَاحِدَۃٍ (المنجد) (یعنی اونٹ کی طرح بوجھ اٹھاکر ایک ہی جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا)

اِزْدَملَہٗ اِحْتَمَلَہٗ یعنی بوجھ اٹھالیا۔ (صراح) وَمِنْہُ قَوْلُہٗ تَعَالیٰ یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّل، یاایھا المزمل بھی اسی معنی میں ہے۔

رازیؒ نے عکرمہؒ کا قول نقل کیا ہے۔ کہ مزمل کے معنی ہیں وہ شخص جس پر بھاری کام ڈال دیا گیا ہو۔ کیونکہ زمّل کے معنی ہیں حمَلَ [1]

یہ بار کیا ہے؟ : قومی اور بین الاقوامی انقلاب

یہ بار جو نبی اکرم ﷺ نے اٹھایا، قومی اور بین الاقوامی انقلاب کا بار تھا۔ اور تعجب یہ ہے کہ آپ نے پہلے اپنی قوم کو ترقی دے کر بین الاقوامی درجے کے کام کرنے والے کارکن تیار کرنے کا انتظار نہیں کیا۔ گو اگر آپ ایسا کرتے تو بھی کسی عقلمند کو اس پر اعتراض نہ ہوتا لیکن آپ نے بین الاقوامی انقلاب کو موخر نہیں کیا۔ بلکہ دونوں کام ایک ہی وقت شروع کرلئے۔ یہ نہایت مشکل کام تھا۔ لیکن آپ نے جوانمردی، ہمت، محنت اور مشقت سے کام لیا اور پورے کے پورے بوجھ کو سنبھال کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اللہ کے فضل سے بہت جلد منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے قریش کی ذہنیت ایسی تیار کی کہ وہ جہاں امراءِ مدینہ کے ساتھ مل کر کام کرسکیں، وہاں بلال حبشیؓ، صہیب رومیؓ اور سلمان فارسیؓ وغیرہ غیر عربوں کے ساتھ اور ان کے ماتحت بھی کام کرسکیں۔

جو شخص سیاسی اجتماعیت میں اس قسم کا بار گراں اٹھاتا ہے، وہ امام انقلاب کہلاتا ہے۔ اس لحاظ سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ المزمل یعنی آخری درجے کے امام ائمہ انقلاب ہیں۔ مولانا محمد قاسمؒ اس آخری درجے کا نام خاتم النبیین رکھتے ہیں۔ اس سے اوپر کوئی درجہ ہی نہیں ہے۔

(۲) قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ (۳) نِّصْفَہٗٓ اَوِانْقُصْ مِنْہُ قَلِیْلًا ۝ (۴) اَوْزِدْ عَلَیْہِ (رات میں سے کچھ وقت کم کرکے کھڑے رہا کرو۔ آدھی رات یا اس سے بھی کم یا اس پر کچھ بڑھالو)

مثلاً بارہ گھنٹے کی رات ہو تو چھ گھنٹے یا چار گھنٹے یا آٹھ گھنٹے تک رات کو کھڑے ہو کر نماز میں قرآن کی تلاوت کیا کرو۔

---

[1] قَالَ عِکْرِمَۃُ یَا اَیُّھَا الَّذِیْ زَمَّلَ اِمْرًا عَظِیْمًا اَیْ حَمَلَہٗ وَالزَّمَلَ الْحَمْلُ وَاَزْدَمَلَہٗ اِحْتَمَلَہٗ (تفسیر کبیر للرازی جلد ہشتم ص ۲۳۵ ص ۲)

انقلاب عمومی کے لئے ضروری ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی قوم کو تعلیم دے کر امامان انقلاب تیار کریں۔ جو آپ کے خلیفہ ہو سکیں اور ان کے علاوہ انقلابی کارکن تیار کریں جو اسے آگے بڑھائیں۔

امامان انقلاب کی تیاری کے لئے خاص تعلیم کی ضرورت ہے جس کے لئے وقت بھی خاص چاہئے اور عوام کی تعلیم کے لئے جداگانہ وقت درکار ہے۔ اس تقسیم اوقات کی اس لئے ضرورت پڑی کہ حضرت نبی اکرم ﷺ اپنی بعثت خصوصی (قومی) اور بعثت عمومی (بین الاقوامی) کے دونوں کام ایک ہی وقت میں کرنا چاہتے ہیں۔

تہجد کی نماز عوام کے لئے فرض نہیں ہے:

اس آیت میں تہجد کی نماز کی طرف اشارہ ہے، جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ساری عمر پڑھتے رہے۔ یہ عام مسلمانوں پر فرض نہیں۔ حنفی، نماز عشاء کے ساتھ جو تین وتر پڑھتے ہیں، وہ اسی نماز تہجد کے قائم مقام سمجھے جاتے ہیں۔ ان کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ صحابہ میں فقہ حنفی کے امام حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے کسی شاگرد سے فرمایا کہ یَااَهْلَ الْقُرْآن اَوْتِرُوْا (اے قرآن کی تعلیمات کے حاملو! وتر پڑھا کرو) ایک بدوی نے بھی یہ بات سن لی اور پوچھا کیا فرمایا آپ نے؟ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ لَيْسَ لَكَ (تیرے اور تجھ جیسوں کے لئے نہیں) اس سے معلوم ہوا کہ وتر مسلمانوں کی خاص جماعت کے لئے ہیں، عوام کے لئے نہیں۔

یہ آیت منسوخ نہیں:

حقیقت یہ ہے کہ جو شخص قرآن حکیم سکھائے اس کے لئے تہجد ضروری ہے اور یہ اس کے لئے درجہ اختصاص (Special Qualification) رکھتی ہے۔ اس لئے یہ آیت منسوخ نہیں کہی جاسکتی۔ جب کبھی وہی حالت پیدا ہو جائے جس میں یہ آیت نازل ہوئی تھی تو یہ آیت پھر زیر عمل آجائے گی۔

(ب) وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلاً (اور آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر، سمجھا سمجھا کر قرآن پڑھا کر)

ترتیل کے معنی:

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ: وترتیل کن بواضح خواندن (فتح الرحمٰن) یعنی ایسے پڑھ کہ سننے والے اسے خوب سمجھ سکیں۔

(۲) رَتِّلْ: آرمیدہ وپیدا خواندن (صراح) آرام سے ٹھہر ٹھہر کر صاف صاف پڑھنا۔

(۳) اَلتَّرْتِیْلُ: اِرْسَالُ کَلِمَۃٍ مِنَ الْفَمِ بِسُھُوْلَۃٍ وَّاِسْتِقَامَۃٍ (راغب) (یعنی منہ سے آہستہ آہستہ پختگی کے ساتھ الفاظ نکالنا)

(۴) وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا اَیْ اِقْرَءُ عَلٰی تَمَھُّلٍ فَاِنَّہٗ یَکُوْنُ عَوْنًا عَلٰی فَھْمِ الْقُرْاٰنِ وَتَدَبُّرِہٖ وَکَذٰلِکَ کَانَ یَقْرَأُ صَلٰوۃُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ (ابن کثیر، جلد چہارم ص ۴۳۴) (یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کیونکہ اس طرح قرآن حکیم کے سمجھنے اور اس پر تدبر کرنے میں مدد ملتی ہے اور حضرت نبی اکرم ﷺ ایسے ہی پڑھا کرتے تھے)

(۵) قَالَتْ عَائِشَۃُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا کَانَ یَقْرَأُ السُّوْرَۃَ فَیُرَتِّلُھَا حَتّٰی تَکُوْنَ اَطْوَلَ مِنْ اَطْوَلَ مِّنْھَا (ابن کثیر ایضاً)

(ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت نبی اکرم ﷺ قرآن حکیم کی سورتوں کو ایسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتے تھے کہ طویل سے طویل سورت کے پڑھنے سے بھی زیادہ دیر لگ جایا کرتی تھی)

(۶) حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

اگر انصاف دہی، فائدہ اصلی از نزول قرآن اتعاظ است بمواعظ آں و اہتداست بہ ہدایت آں، نہ صرف تلفظ بآں اگرچہ تلفظ ہم مغتنم است، پس چہ مسلمان بدست آوردہ است کسے کہ مدلول قرآن نضبط و کدام حلاوت دارد آنکہ مدلول کلام اللہ را، نداند (دیباچہ قلمی، فتح الرحمٰن)

(یعنی انصاف سے کام لو، تو معلوم ہوگا کہ قرآن حکیم نازل ہونے کا اصلی فائدہ تو اس وقت ہے کہ انسان اس کی نصیحتوں سے عبرت حاصل کرے! اور اس کی ہدایت کی باتوں سے سیدھی راہ چلنا سیکھے نہ کہ صرف یہ کہ اس کے الفاظ زبان سے ادا کرتا رہے (گو تلفظ بھی غنیمت سہی)۔ تو جو شخص قرآن حکیم کے معنی سمجھے بغیر اس کی تلاوت کرتا ہے، وہ بھلا اسلام کس طرح سیکھ سکتا ہے؟ اور جو شخص اس کلام الٰہی کا مطلب نہیں سمجھتا وہ اس کے بے سمجھ پڑھنے سے بھلا کیا مزہ حاصل کر سکتا ہے؟)

(۷) حضرت شیخ نظام الحق وَالدِّین، نظام الدین دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

وقت خواندن قرآن باید کہ دل خوانندہ را تعلق بحق باشد و اگر آں میسر نشود باید کہ در حالت قرآن خواندن جلال و عظمت حق بر دل بگزراند۔ یکے از حاضراں سوال کرد ایں معنی ہماں تعلق بحق است کہ در مرتبہ اولیٰ فرسودہ اند؟ گفت کہ تعلقِ آں بذات حق بود و ایں بصفات حق است و اگر آں ہم میسر نشود باید کہ آنچہ مے خواند معانی آں بر دل گزراند (فوائد الفواد، ص ۱۷)

یعنی قرآن حکیم پڑھتے وقت چاہئے کہ پڑھنے والے کا دل حق سبحانہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرے اور اگر یہ حالت حاصل نہ ہو سکے، تو چاہئے کہ قرآن حکیم پڑھتے وقت حضرت حق سبحانہ تعالیٰ کا جلال اور عظمت اپنے دل

میں بٹھائے۔

”حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! یہ دوسری بات وہی نہیں جو پہلے فرمائی ہے؟

”حضرت نے جواب دیا کہ نہیں، پہلے ذات حق سبحانہ تعالیٰ کا ذکر تھا اب صفات حق سبحانہ تعالیٰ کا بیان ہے۔

پھر فرمایا کہ اگر یہ دوسری حالت بھی میسر نہ ہو تو پڑھنے والے کو چاہیئے کہ کم از کم جو کچھ پڑھے اس کا مطلب اپنے دل میں بٹھائے۔“

(۸) خود قرآن حکیم فرماتا ہے کہ:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۝۲ (۲:۱۲) (یعنی ہم نے (تم عربوں کی خاطر) قرآن عربی زبان میں اتارا ہے، تاکہ تم اسے پڑھو اور اس سے عقل سیکھو۔)

ظاہر ہے کہ سمجھے بغیر عقل کس طرح سیکھی جاسکتی ہے؟

(ب) پھر ایک جگہ ارشاد ہے کہ: لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنۡتُمۡ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعۡلَمُوۡا مَا تَقُوۡلُوۡنَ (۴۳:۴) (یعنی مدہوشی کی حالت میں نماز مت پڑھو، بلکہ اس وقت پڑھو، جب تم اپنے منہ سے نکلنے والے الفاظ کا مفہوم سمجھنے کے قابل ہو جاؤ)

بے سمجھے پڑھنے سے روح انقلاب فنا ہو جاتی ہے:

سمجھ کر پڑھنے کی اتنی تاکیدوں کے باوجود مسلمان صرف بے سمجھے پڑھنے کو کافی سمجھنے لگ گیا ہے! معلوم نہیں کس زمانے میں مسلمانوں میں یہ خیال پیدا کر دیا گیا کہ قرآن کا مطلب سمجھے بغیر صرف شین قاف درست کر کے پڑھنے کا نام ترتیل ہے اور صرف یہی کافی ہے۔ چنانچہ آج کروڑوں مسلمان اس پر جمے بیٹھے ہیں۔ خصوصاً لڑکیوں کی تعلیم تو اسی پر ختم ہو جاتی ہے کہ انہیں ناظرہ پڑھا دیا جائے، باوجودیکہ ہر ایک مسلمان کو قرآن حکیم سے اتنی محبت ہے کہ وہ اس پر اپنی جان تک دینے کو تیار ہے۔ مگر ہمارے غفلت مآب استادوں نے ہماری ذہنیت کو تباہ کر دیا ہے! آج کلام الٰہی کو بے سمجھے پڑھنے کا مادہ جتنا مسلمانوں میں ہے کسی میں نہیں ہے۔ افسوس ہے! کہ اس استعداد والی قوم یوں برباد ہو رہی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس میں سے انقلابی روح فنا ہو رہی ہے!

انقلاب کے رفقاء کو سمجھانا ضروری ہے:

حقیقت یہ ہے کہ کوئی انقلابی تحریک اس وقت تک کامیاب ہو ہی نہیں سکتی، جب تک اس کے ارکان اس

تحریک کے اصولوں سے بخوبی واقف ہو کر انہیں اپنا نہ لیں۔ اور پھر اپنا سب کچھ ان پر قربان نہ کر سکیں، یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں قرآن حکیم کو سمجھ کر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(۵) اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا۝ (ہم تجھ پر ایک وزنی بات ڈالنے والے ہیں)

قول ثقیل کے معنی:

قرآن حکیم کی تعلیم دے کر انقلاب کے لئے تیار کرنا قول ثقیل۔۔۔ وزنی بات۔۔۔۔۔ ہے۔

انقلاب، کسریٰ و قیصر کے خلاف:

جس زمانے میں قرآن حکیم نازل ہوا قیصر روم اور کسریٰ ایران متمدن دنیا کے بیشتر حصوں پر قابض تھے۔ دنیا کی تاریخیں ان دونوں سلطنتوں کی عیاشیوں اور ظلموں سے بھری پڑی ہیں۔ یہ سلاطین اور ان کے امرا خود تو داد عیش دیتے تھے مگر انہوں نے اپنے ماتحت عوام میں فساد عظیم برپا کر رکھا تھا۔ ٹیکسوں کی وہ بھرمار تھی کہ عوام میں سے کوئی شخص کھانے پینے اور ٹیکس ادا کرنے کے واسطے کمانے کے سوا اور کسی بات پر غور کرنے کے لئے ایک گھنٹہ بھی نہیں نکال سکتا تھا۔ قرآن حکیم ان دونوں بڑی شہنشاہیتوں (Imperial Powers) کے خلاف انقلاب برپا کرنا چاہتا تھا۔ یہ آسان چیز نہ تھی۔

عرب کی حالت:

اس مسئلے کا یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ علم اور صنعت و حرفت ان دونوں طاقتوں میں محصور ہو کر رہ گئے تھے۔ اس لئے خود ان طاقتوں کے واسطے سے یہ انقلاب کس طرح لایا جا سکتا تھا؟ عرب کی علمی اور طبعی ترقی ایسی نہ تھی کہ ان میں سے قیصر و کسریٰ کے مقابلے کے لئے لشکر تیار ہو سکتے۔ ادھر عرب کی تنظیمی قابلیت اور صلاحیت صرف قریش میں تھی۔ اگر قریش حنیفی ملت کو قائم کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں جو، ان کے ذہنوں کے بہت نزدیک تھی، تو انقلاب آسان ہو جائے۔ لیکن قریش کا بالائی اور دولتمند طبقہ طبعاً قیصر و کسریٰ کی طرف مائل تھا۔ اور انہی کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا۔ کیونکہ ان ملکوں کے ساتھ ان کے تجارتی تعلقات تھے۔ پس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ ایک ایسی مختصر جماعت تیار کریں جو قریش کے رجعت پسندوں پر غالب آ جائے اور پھر عرب کے انقلابیوں کو ساتھ ملا کر قیصر و کسریٰ کے ملکوں میں انقلاب کی لہر دوڑائیں اور ان ملکوں کے انقلاب

پسندوں کی مدد سے قیصریت اور کسرویت کا خاتمہ کر دیں اور یہی قرآن کا اصلی مقصد تھا۔ لیکن قریش کو ارتجاعی (Reactionary) عناصر سے پاک کر کے عرب کے متفرق قبائل کو انقلاب پر جمع کرنا اور ان کے واسطے سے قیصر و کسریٰ کے ممالک میں انقلاب برپا کرنا آسان کام نہ تھا۔ یہ ہے وہ قول ثقیل جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے اور جس کی تفصیل کسی اور جگہ اس آیت میں بیان کی گئی ہے کہ : هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (۹: ۳۳) (یعنی خداوند تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین دے کر بھیجا تاکہ اس دین کو دیگر تمام ادیان پر غالب رکھے۔ خواہ مشرک اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں)

(٦) اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا ؕ ۝ (رات کا اٹھنا یقیناً بہت روندتا ہے اور بات سیدھی نکلتی ہے) (مولانا محمود حسن شیخ الہند)

حضرت امام الائمہ شاہ ولی اللہ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں :

ہر آئینہ قیام شب زیادہ تراست در موافقت زبان بادل و درست تراست در تلفظ الفاظ (فتح الرحمان)

(یعنی رات کا قیام دل اور زبان میں موافقت پیدا کرنے کے لحاظ سے زیادہ موزوں ہے اور الفاظ منہ سے نکالنے کے لئے بہت بہتر ہے)

جماعت خاصہ کے لئے رات کا وقت کیوں؟ :

رات کا وقت جماعت خاصہ (Special Class) کی تیاری کے لئے مقرر کیا گیا ہے، کیونکہ دن بھر کی مشقت کے بعد محنت کش اور نفس کش لوگ ہی خصوصیت سے جمع ہو سکتے ہیں۔ جو شخص رات کو قرآن حکیم سننے آئے گا اسے اس کی طرف رغبت خاص ہو گی۔ اور اجتماع اور فکر سے روکنے والے امور پر غالب آنے پر قادر ہو گا۔ اور ظاہر ہے کہ جس شخص میں نفس کشی کی یہ نفسیاتی (Pscychological) حالت پیدا ہو جائے گی، وہ قرآن حکیم کا کام پوری ذمہ داری سے کرے گا۔

آدمی شب بیدار و نیند پر قابو رکھتا ہو، تو وہ رات کو جب بازاری لین دین اور گھر کی ضرورتوں اور تشویشوں سے نسبتاً فارغ ہوتا ہے، تو اچھی طرح سوچ سکتا ہے اور اچھی طرح سوچتا ہے تو اچھی طرح بات بھی کر سکتا ہے۔

رات کو قرآن حکیم کے پڑھنے کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ شور و شغب کم ہونے کے باعث بات خوب سمجھی جا سکتی ہے۔

یہ تو ہوئی رات کی بات دن کا ذکر آگے آتا ہے۔

(۷) اِنَّ لَكَ فِى النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِيۡلًا ؕ‏ ۞ (البتہ تیرے لئے دن میں لمبا شغل ہے)۔

عوام سے ربط۔۔ دن میں:

انقلاب عمومی کے لئے صرف رات کی خاص جماعت کی تعلیم کافی نہیں ہے، بلکہ عوام تک پہنچ ہونی اشد ضروری ہے۔ عوام سے تعلق (Contact) پیدا کرنے کے لئے دن ہی کا وقت ہو سکتا ہے، جب ان سے واسطہ پڑتا ہے۔

انقلاب کے بنیادی اصول

(۸) (الف) وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ (اور اپنے رب کا نام یاد کر)

اسم سے مراد تجلی الٰہی:

امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت میں اسم الٰہی سے مراد تجلی الٰہی ہوتی ہے۔ اسم الٰہی کے یاد رکھنے سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنا فراموش شدہ تعلق یاد کرو۔ اسے اقتراب بھی کہتے ہیں۔

انسان کا تعلق تجلی الٰہی سے کیوں ضروری ہے؟:

قرآنی تحریک (The Quranic Movement) کو حقیقی معنوں میں جامع اور صحیح معنوں میں انقلابی بنانے کے لئے اور اسے نوع انسانی کی مادی یعنی اقتصادی اور عقلی (یا بالفاظ دیگر بہیمی اور ملکی) ضرورتوں کو پورا کرنے والی بنانے کے لئے اس تحریک کا تعلق تجلی الٰہی سے قائم کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ انسان اپنی ساخت کے اعتبار سے بہیمیت (حیوانیت) اور ملکیت (عقلیت) کا مجموعہ ہے اور ملکیت کا تعلق براہ راست خداوند تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ جب یہ تجلی الٰہی انسانی ذہن میں جم جائے گی، تو ہر دم اس کی یاد رہے گی اور وہ زبانی ذکر بھی کرے گا۔ یہ زبانی ذکر حقیقت میں اس اندرونی یاد کا عنوان ہوگا۔

قرآن کا "نظام نو":

قرآن حکیم جو "نظام نو" پیدا کرنا چاہتا ہے، اس کا مقصد کیا ہے؟ وہ یہ بات انسانوں کے ذہن نشین کرنی چاہتا

ہے کہ انسان پر حکومت صرف اللہ کی ہو سکتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ قیصریت اور کسرویت یعنی شہنشاہیت (Imperialsim) یعنی چند امراء کی حکومت (Oligarchy) کو توڑ کر ان کی جگہ ایسی حکومت (State) پیدا کرنی چاہتا ہے، جس کا مرکز اور محور قرآن ہی کا قانون الٰہی ہو اور اس کے سوا وہ کسی اور قانون کی اتباع کو برداشت نہیں کرتا، کیونکہ شخصی، عائلی، قبائلی، شعوبی اور قومی قانون تک تو شاید عقلمند انسان وضع کر سکیں لیکن بین الاقوامی قانون خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ کیونکہ وہی تمام اقوام کی ضرورتوں اور ذہنیتوں کو جانتا ہے، جن کا جاننا کسی ایک انسان کے بس میں نہیں ہے، اور نہ کوئی جماعت یہ کام کر سکتی ہے۔ پس اس قرآنی بین الاقوامی قانون کا نوع انسانی میں قیام ضروری ہے تاکہ نوع انسانی اپنی طبعی رفتار پر ترقی کرتی رہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ تجلی الٰہی سے تعلق قائم کرنا ہر ایک فرد انسانی کے لئے ذاتی اور طبعی ضرورت ہے اور کوئی اجتماع انسانی جس میں اس ضرورت کو نظر انداز کر دیا گیا ہو افراد کی ترقی کا کفیل نہیں ہو سکتا۔

کام کرنے کے دو اصول :

(ب) وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلاً (اور سب سے پوری طرح کٹ کر صرف اسی کی طرف ہو جا)

دنیا میں کام کرنے کے دو اصول اب تک چلے آتے ہیں۔

(۱) مادی اسباب کے بھروسہ پر کام کرنا۔

(۲) مادی اسباب سے کام لینا۔ لیکن ان کو نتائج اور کامیابی میں موثر بالذات نہ ماننا۔ یعنی ان کو صرف آلات کی حیثیت دینا۔

قرآن حکیم کی انقلابی تعلیم کی خصوصیت :

قرآن کی انقلابی تحریک میں کسی دوسری تحریک کے مقابلے میں یہ خصوصیت ہے کہ یہ مادی اسباب سے کام لینا ضروری قرار دیتی ہے، لیکن ۔۔۔ ان اسباب کو کامیابی کا کفیل نہیں سمجھتی۔

مادے کا ترقی یافتہ حصہ :

حقیقت یہ ہے کہ کائنات محض مادے اور اس کی خاصیات کے مجموعے کا نام نہیں ہے، بلکہ اس میں ایسی قوتیں بھی موجود ہیں، جو مادے سے قدرے مختلف ہیں۔ چنانچہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے

کہ اس کائنات میں ایسی چیزیں بھی ہیں، جو غیر مادی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر اس عالم مادی سے علیحدہ چیزیں نہیں ہیں بلکہ یہ مادی قوتیں ہی ترقی کر کے مثالی اور روحانی بن گئی ہیں۔ یہ غیر مادی چیزیں ہی حقیقت میں ان مادی اشیاء کی بنیاد ہیں۔ حکمیات جدیدہ (Modern Science) کا رخ بھی اسی طرح معلوم ہوتا ہے، چنانچہ سرآمد حکماء یورپ سر جیمز جینز (James Jeans) کہتے ہیں کہ: "یعنی میں اس تخیلی نظریے کی طرف مائل ہوں کہ شعور ذھنی بنیادی چیز ہے اور مادی کائنات اس شعور ذھنی ہی سے پیدا ہوئی ہے۔ یہ نہیں کہ شعور مادے سے پیدا ہوا ہو۔"

ایک جرمن حکیم ماکس پلانک (Max Planck) کہتا ہے کہ:

"I regard consciousness as fundamental and regard matter derivative from consciousness."

"یعنی میں شعور ذھنی کو اصلی اور اساسی شے مانتا ہوں اور مادے کو اس سے نکلا ہوا سمجھتا ہوں"۔

عالم مثال:

الغرض امام ولی اللہ اور ان کے اتباع غیر مادی، مادے کو اس عالم مادی۔۔۔۔ عالم شہادی۔۔۔۔ کی اصل مانتے ہیں اور اسے عالم مثال (Non. meterial world) کی اصطلاح سے ظاہر کرتے ہیں۔ اس لئے قرآن حکیم کی انقلابی تحریک کے کارکن مادے کی ہستی اور اس کے خواص وافعال کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں ایک غیر مادی اصل سے خارج شدہ مان کر اس غیر مادی اصل الاصل۔۔۔۔ خداوند تعالیٰ۔۔۔۔ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ جو اس مادی اور غیر مادی عالم سے ماوراء ہے۔ اور جو ان دونوں کی اصل ہے۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ مادی اسباب کو اپنا کفیل اور کارساز نہ سمجھو بلکہ خدائے واحدہ لاشریک کو اس ساری مادی اور غیر مادی۔۔ شہادی اور مثالی اور روحانی۔۔۔۔ کائنات کا خالق اور مالک مان کر اس پر اور صرف اس پر بھروسہ کر کے کام کرو۔

قرآنی اصول انقلاب کے عملی فائدے:

اس کا عملی نتیجہ یہ نکلے گا کہ:

(ا) قرآنی انقلاب کے کارکن اپنے لئے مادی نفع جوئی نہ کریں گے۔ یعنی یہ انقلاب پیدا کر کے وہ اپنی ذات کے لئے کوئی مادی فوائد (Metrial gain) حاصل نہیں کریں گے۔ بلکہ ان سے بالاتر رہ کر صرف رفاہِ عامہ کے لئے کام کریں گے۔

(۲) وہ ان مادی اسباب سے کام لیں گے جو انہیں حاصل ہوں، لیکن ان پر بھروسہ نہ کریں گے، یعنی اپنے آپ کو ان مادی اسباب کے ساتھ اس طرح وابستہ نہ کرلیں گے کہ جب تک مکمل اسباب حاصل نہ ہوں، وہ کوئی کام ہی نہ کریں، بلکہ خدا پر بھروسہ رکھ کر کام شروع کر دیں گے اور یقین رکھیں گے کہ جوں جوں ضرورت پڑتی جائے گی خداوند تعالیٰ ان کے لئے اسباب پیدا کرتا رہے گا۔

قرآن کے انقلابی نظریے کی ضرورت :

انقلاب کے اس جدید نظریے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کا سبب یہ ہے کہ عالم اسباب کی تمام قوتیں جن کے بل بوتے پر انقلاب بر پا کیا جاسکتا ہے۔ ان انقلابیوں کو حاصل نہیں ہیں، بلکہ وہ سب ان کے مخالفین (قیصر و کسریٰ اور رؤسا مکہ اور رؤسا عرب) کے قبضے میں ہیں۔ اگر وہ اپنی کامیابی ان اسباب ظاہری سے وابستہ کرلیں تو وہ کبھی حرکت نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان بے بس اور بے کس لوگوں کو سکھایا گیا کہ دنیا میں کامیابی حاصل کرنے کے اسباب صرف مادیات ہی کی سرحد پر ختم نہیں ہو جاتے، بلکہ حقیقی اور موثر اسباب، مادی سرحدوں سے پرے واقع ہیں۔

اگر دنیا میں کامیابی کا آخری انحصار محض اور صرف اسباب مادی پر ہوتا تو جن قوموں کو یہ مادی اسباب کامل طور پر حاصل ہیں، وہ کبھی نہ گرتیں اور محکوم اور غلام اقوام جو ان اسباب سے محروم ہوتی ہیں وہ کبھی ترقی نہ کر سکتیں۔ مگر چڑھی ہوئی قوموں کا گرنا اور گری ہوئی قوموں کا اٹھنا ظاہر کرتا ہے کہ مادی اسباب کے علاوہ بعض غیر مادی اسباب بھی ہیں، جو قوموں کو گرانے اور اٹھانے میں اثر انداز ہو رہے ہیں۔ قرآن حکیم بنی اسرائیل کی گری ہوئی قوم کے متعلق کہتا ہے کہ :

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ یَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝۴ وَ نُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ ۝۵ (القصص: ۵،۴)

(یقیناً، فرعون نے ملک میں بہت سرکشی کی اور اہل ملک میں نفاق ڈال کر تقسیم کر دیا، پھر وہ ان میں سے ہر ایک کو کمزور کرنے لگا۔ چنانچہ وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا اور لڑکیوں کو جیتی رکھتا تھا۔ یقیناً وہ بڑے مفسدین میں سے تھا۔ اور ہم چاہتے تھے کہ ان لوگوں پر احسان کریں، جن کو ملک میں ضعیف بنادیا گیا تھا اور ان کو لیڈر بنادیں اور ملک کے وارث بنادیں)

پس مادی اسباب سے کام لیتے ہوئے بھی خدا ہی پر بھروسہ کرنا ضروری ہے، جو ان مادی اسباب کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور عوام سے کسی قسم کی مادی اجرت طلب کرنے کے خیال سے قطع نظر کر کے محض خدا کی خاطر کام کرنا

اس قرآنی تحریک کا طغرائے امتیاز ہے۔

اس تعلیم کے پیش نظر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے رفقاء کو سکھایا کہ اگر جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ سے مانگو۔❶ یعنی تمام اسباب کو مان کر اور استعمال کر کے بھی ان سے بے تعلق رہو۔ اور کامیابی کا انحصار ان مادی ذرائع کے بجائے ان کی اصل پر رکھو۔ قرآن مادی اسباب کا انکار نہیں کرتا، بلکہ نظر بلند کر کے اسماء حسنیٰ تک پہنچاتا ہے جو مادے کی اصل ہیں۔

گری ہوئی قوموں، بے بس جماعتوں اور اسباب سے محروم لوگوں کو اٹھانے کے لئے اس بلند فکری سے بہتر اور کیا حوصلہ افزا تعلیم ہو سکتی ہے؟

ع دارو ہے ضعیفوں کا، لا غالب الا ھو

اب بتایا جائے گا کہ اس تحریک انقلاب کی کامیابی کے لئے بہترین خطہ کونسا ہے۔

انقلاب کی جولانگاہ عرب کے مشرق و مغرب میں:

(۹) (الف) رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (وہ مشرق اور مغرب کا پروردگار ہے)

اس انقلابی تحریک کا حلقہ عمل حقیقت میں عرب نہیں ہے۔ وہ قریش کے خلاف عداوت اور قتال کی تحریک نہیں ہے بلکہ یہ انقلاب حقیقت میں اس علاقے کے لئے ہے، جو عرب کے مشرق اور مغرب میں واقع ہے۔ یعنی دراصل کسریٰ ایران (مشرق) اور قیصر روم (مغرب) کو قرآن کے قانون کے ماتحت لا کر اس تحریک کو تمام دنیا میں پھیلانا مقصود ہے، کیونکہ قیصر و کسریٰ کے نظام، انسانیت کے لئے برباد کن ہیں۔ ان نظاموں نے متمدن انسانیت کے ایک بہت بڑے حصے کو ایسی اقتصادی اور ذھنی غلامی میں مبتلا کر رکھا ہے، کہ کسی انسان کو اپنی اصلی انسانی ضرورتوں پر غور کرنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ مشرق اور مغرب کے ان علاقوں میں انقلاب برپا کر کے انسانیت کو آزاد کرنا ضروری ہے اور عرب کو اس انقلاب کا ذریعہ بنایا جائے گا۔

یہ تحریک ایک خاص ذہنیت بھی چاہتی ہے جو نہایت سرد علاقے میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ انقلابی تحریکیں اور مستقل اور پائیدار تہذیبیں کرۂ زمین کے انتہائی شمالی اور انتہائی جنوبی علاقوں میں پیدا نہیں ہوتیں اور نہ وہاں ان کے پنپنے کا سامان ہے بلکہ اس قسم کی تحریکیں ہمیشہ اس منطقہ میں پیدا ہوتی رہی ہیں اور پیدا ہوتی رہیں گی جو شرقاً غرباً

---

❶ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لِیَسْئَالَ اَحَدُکُمْ رَبَّہٗ حَاجَتَہٗ کُلَّھَا حَتّٰی یُسْئَالَ شَسْعَ نَعْلِہٖ اِذَا انْقَطَعَ (المشکوۃ المصابیح)
(ہر شخص اپنی ہر ایک حاجت اللہ ہی سے طلب کرے یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مانگے)

پھیلا ہوا ہے۔ شمالی علاقے کے تمدن، غیر طبعی ہیں اس لئے دیرپا نہیں ہوتے۔
(ب) لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا (اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس کو اپنا کارساز مان!)
اس علاقے میں نہ کسریٰ کی حکومت رہنی چاہیئے نہ قیصر کی "خدائی" ان کی جگہ خدائے وحدہ لاشریک لہٗ کا قانون جاری ہونا چاہیئے۔ کیونکہ کائنات کا پروردگار یعنی ساری کائنات کو ایک خاص مجموعہ قوانین کے مطابق ترقی دینے والا وہی ہے یہی وہ چیز ہے جسے حضرت مسیح علیہ السلام ان الفاظ میں ظاہر فرماتے ہیں کہ:

They will be done on earth as in Heaven (Math 6:10)

(خدا کی مشیت کرۂ زمین پر اسی جامعیت کے ساتھ پوری ہونی چاہیئے جس کاملیت کے ساتھ زمین سے باہر کی ساری کائنات میں پوری ہو رہی ہے)

قرآن کا منشاء مصنوعی "خداؤں" کا خاتمہ:

پس جس طرح خدا کا قانون تمام کائنات میں جاری ہے اور کوئی اس میں شریک نہیں ہے، ایسے ہی اس کا قانون "قرآن حکیم" انسانی معاشرے میں جاری کیا جائے اور تمام مصنوعی "خداؤں" کی "خدائی" ختم کر دی جائے اور بندگی صرف خدا کی کی جائے۔ یعنی انسان اپنے آپ کو اپنے تمام اعمال وافعال اور خیالات میں خدا کے سامنے جوابدہ سمجھے۔ اس میں لوگوں کے دکھاوے یا حاکم کے فیصلے کو کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ فیصلہ خود ہر ایک انسان کو اپنے دل کے اندر کرنا ہوگا۔ جب تک انسان کا یہ یقین نہ ہو جائے کہ میرا یہ کام خدا کے سامنے پیش ہوگا تو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا، اس وقت تک وہ اس کام کو اچھا نہ سمجھے۔ یہ ہے خدا کی بندگی۔ اس طرح جوابدہ سمجھنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی ساری نوع کی یکساں خدمت کر سکے گا، کیونکہ وہ حقیقت میں اپنے آپ کو خداوند تعالیٰ کی اس تجلی کے حوالے کر دے گا، جو انسانیت کے قلب پر پڑتی ہے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کرے گا، تو اسے تمام نوع انسانی کی ہمدردی اور خدمت کرنی ہوگی۔ اس سورت میں قرآن کے انقلاب کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ ایسا انقلاب برپا کیا جائے جو انسان کے نوعی تقاضے پورے کرے نہ کہ کسی خاص خطے یا قوم کی ضرورتوں ہی کا کفیل ہو۔

جس موطن میں اعمال انسانی کے یہ فیصلے ہوتے ہیں اسے حظیرۃ القدس کہتے ہیں۔ یہ اصطلاح یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اس مقدس مقام میں تمام انبیاء اور اعلیٰ طاقتیں جمع ہوتی ہیں، ہر ایک چیز کا فیصلہ کرنے والی طاقت وہاں صرف تجلی الٰہی ہے۔ انسانیت کا نصب العین یہ ہے کہ اس مقدس مقام میں اپنے لئے جگہ حاصل کرے۔ یہ انبیاء کی انقلابی تحریک ہی کے نتیجے کے طور پر انسان کو مل سکتی ہے۔

مخالفوں کی مخالفت پر صبر کرو:

(۱۰) وَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَ اهۡجُرۡهُمۡ هَجۡرًا جَمِیۡلًا ﴿۱۰﴾

(جو کچھ وہ کر رہے ہیں، اس پر صبر کر اور ان سے خوبصورتی کے ساتھ الگ ہو جا!)

قریش جو پہلے قومی عربی انقلاب کا اور پھر بعد میں عمومی بین الاقوامی انقلاب کا ذریعہ بنیں گے، وہ امی اور ان پڑھ ہیں۔ انہیں قرآنی انقلاب کا مقصد ذہن نشین نہیں ہوا۔ ان کو سمجھانے کے تمام طریقے ابھی استعمال کرنے ضروری ہیں۔ سب کو سمجھانے کا ایک ہی طریقہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہر شخص کو اس کی ذہنیت کے مطابق سمجھاؤ۔ ابھی ان سے لڑنے بھڑنے اور قتال کرنے کا وقت نہیں آیا۔ اور نہ تم اس کے لئے ابھی تیار ہو۔ اس لئے ابھی مخالفت کرنے والوں کی باتوں پر صبر کرو۔ اور ایسی حالت پیدا نہ ہونے دو کہ وہ ہاتھا پائی پر اتر آئیں۔

تیاری سے پہلے اقدام مضر ہوتا ہے:

اگر تیاری سے پہلے اقدام کر دیا جائے تو انقلاب ناکام رہتا ہے، چنانچہ ابتداء نبوت سے تین سال تک تو حضرت نبی اکرم ﷺ اس طرح رہے کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوئی۔ جس کو اپنے مطلب کا دیکھتے اس سے بات چیت کر لیتے۔ اور جو چند لوگ ہم فکر ہوتے وہ رات کو کسی جگہ جمع ہو جاتے اور اس طرح دعوت اور تیاری جاری رہتی۔

اب بھی جس ملک میں قرآن حکیم کے اصولوں پر انقلاب پیدا کیا جائے گا، اسے پہلے اسی منزل میں سے گزرنا پڑے گا۔ یعنی ذھنی تیاری کی منزل میں سے جس میں لڑائی کی گنجائش نہیں ہے۔

یہ اس تیاری ہی کی برکت تھی کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد قرآنی انقلاب کی تحریک متعدد ارتجاعوں (Reaction) میں سے گزرنے کے بعد بھی اب تک زندہ ہے۔

سرمایہ پرستوں سے بازپرس

(۱۱) وَ ذَرۡنِیۡ وَ الۡمُکَذِّبِیۡنَ اُولِی النَّعۡمَۃِ وَ مَهِّلۡهُمۡ قَلِیۡلًا ﴿۱۱﴾ : مجھے اور ان جھٹلانے والے فارغ البال لوگوں کو چھوڑ دے اور انہیں تھوڑی سی مہلت دے!)

مکذبین، کسریٰ و قیصر ہیں:

اَلۡمُکَذِّبِیۡنَ (جھٹلانے والے) سے مراد بین الاقوامی حلقے میں کسریٰ و قیصر ہیں۔ اور قومی حلقے میں مجازاً قریش

کے وہ سردار جوان کی راہ چلتے تھے اور جوان ہی کی طرح انقلاب کو برداشت نہ کرتے تھے۔ یہ لوگ اس انقلاب کے پروگرام (Revelutionary Programme) کو نہیں مانتے۔

سرمایہ پرستوں سے بازپرس ہوگی:

أُولِي النَّعْمَةِ (فارغ البال) وہ لوگ ہیں، جن کے پاس انسانی ضروریات مثلاً کھانے پینے وغیرہ کا سامان وافر موجود ہے، جوان کی ضرورتوں سے زیادہ ہے۔

اس قسم کے سرمایہ پرست مخالفین سے چند دنوں کے لئے اعراض کرو۔ اور لڑائی سے بچو۔ یہاں تک کہ تمہاری تیاری مکمل ہو جائے۔ اس کے بعد ان سے بازپرس کی جائے گی۔ اس زندگی میں وہ جماعت ان سے بازپرس کرے گی جو قرآنی اصولوں پر خدا کے حکم کے مطابق انقلاب برپا کرے گی۔ یہ دنیا میں خدا کی خلیفہ یعنی قائم مقام ہے۔ دوسری زندگی میں خدا تعالیٰ براہ راست ان سے بازپرس کرے گا۔

حضرت مسیحؑ کا ارشاد سرمایہ پرستوں کے بارے میں:

یہ بازپرس تمام مذاہب کا مسلّمہ اصول ہے۔ چنانچہ متی کی انجیل باب ۲۵ آیات ۴۶-۳۱ میں ہے کہ :

''جب ابن آدم اپنے جلال میں آئے گا اور سب فرشتے اس کے ساتھ آئیں گے، تو اس وقت وہ اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا اور سب قومیں اس کے سامنے جمع کی جائیں گی اور وہ ایک کو دوسرے سے جدا کرے گا۔ جیسے چرواہا بھیڑوں کو بکریوں سے جدا کرتا ہے۔ اور پھر بھیڑوں کو اپنے داہنے اور بکریوں کو بائیں کھڑا کرے گا۔ اس وقت بادشاہ اپنے داھنی طرف والوں سے کہے گا کہ آؤ میرے باپ کے مبارک لوگو! جو بادشاہت، بناء عالم کے وقت سے تمہارے لئے بنادی گئی ہے، اسے میراث میں لو۔ کیونکہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا۔ میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا۔ میں پردیسی تھا'' تم نے مجھے اپنے گھر میں اتارا، ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا پہنایا، بیمار تھا تم نے میری خبر لی۔ قید تھا تم میرے پاس آئے۔ تب راستباز جواب میں اس سے کہیں گے ''اے خداوند! ہم نے کب تجھے بھوکا دیکھ کر کھانا کھلایا۔ یا پیاسا دیکھ کر پانی پلایا؟ ہم نے کب تجھے پردیسی دیکھ کر گھر میں اتارا، یا ننگا دیکھ کر کپڑا پہنایا؟ کب تجھے بیمار یا قید میں دیکھ کر تیرے پاس آئے؟'' بادشاہ جواب میں ان سے کہے گا ''میں تم سے سچ کہتا ہوں، چونکہ تم نے میرے ان سب سے چھوٹے بھائیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ یہ کیا، اس لئے میرے ساتھ کیا۔''

پھر وہ بائیں طرف والوں سے کہے گا۔ ''اے ملعونو! میرے سامنے سے اس ہمیشہ کی آگ میں چلے جاؤ۔ جو

ابلیس اور اس کے فرشتوں کے لئے تیار کی گئی ہے، کیونکہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ پیاسا تھا تم نے مجھے پانی نہ پلایا پردیسی تھا تم نے مجھے گھر میں نہ اتارا۔ ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا نہ پہنایا۔ بیمار اور قیدی تھا تم نے میری خبر نہ لی"۔ تب وہ جواب میں کہیں گے "اے خداوند! ہم نے کب تجھے بھوکا پیاسا، یا پردیسی یا ننگا یا بیمار یا قید میں دیکھ کر تیری خدمت نہ کی؟" اس وقت وہ ان سے کہے گا "میں تم سے سچ کہتا ہوں، چونکہ تم نے ان سب سے چھوٹوں میں سے کسی ایک کے ساتھ یہ نہ کیا۔ اس لئے میرے ساتھ نہ کیا"۔ تو یہ ہمیشہ کی سزا پائیں گے مگر راستباز ہمیشہ کی زندگی۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا فرمان :

انہی معنوں میں ایک روایت مشکوٰۃ شریف کی حدیث میں بھی ہے :

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ: "یَا ابْنَ اٰدَمَ! مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ "قَالَ یَا رَبِّ کَیْفَ اَعُوْدُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ۔ قَالَ: "اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِیْ فَلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ ﴿﴾ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْعُدْتَّهٗ لَوَجَدْتَّنِیْ عِنْدَهٗ "یَا ابْنَ اٰدَمَ! اِسْتَطْعَمْتُكَ، فَلَمْ تُطْعِمْنِیْ "قَالَ: یَا رَبِّ! کَیْفَ اُطْعِمُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿﴾ "قَالَ: اَمَا عَلِمْتَ اَنَّهٗ اِسْتَطْعَمَكَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ اَطْعَمْتَهٗ لَوَجَدْتَّ ذَالِكَ عِنْدِیْ" "! یَا ابْنَ اٰدَمَ! اِسْتَسْقَیْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِیْ "قَالَ: "یَا رَبِّ! کَیْفَ اَسْقِیْكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿﴾ "قَالَ: اِسْتَسْقَاكَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تُسْقِهٖ۔ اَمَّا عَلِمْتَ لَوْ اَنَّكَ لَوْ سَقَیْتَهٗ لَوَجَدْتَّ ذَالِكَ عِنْدِیْ"

(یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے ابن آدم! میں بیمار ہوگیا۔ لیکن تو نے میری خبر تک نہ لی! انسان کہے گا اے میرے پروردگار! تو تو ساری اقوام کا رب ہے۔ تیری خبر گیری میں کس طرح کرتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تجھے خبر نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا لیکن تو نے اس کی عیادت نہ کی! اگر تو اس کی عیادت کرتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا! اے ابن آدم! میں نے پیاسا ہو کر تجھ سے پانی مانگا لیکن تو نے مجھے پانی نہ دیا! انسان کہے گا کہ یا اللہ! تو تمام اقوام عالم کا پروردگار ہے تجھے پانی کس طرح دیتا؟ اللہ فرمائے گا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تو تو نے اسے دیا نہیں۔ تجھے خبر نہیں کہ اگر تو اسے پانی دے دیتا تو اسے میرے پاس پاتا"۔۔۔۔ الغرض قیامت کے دن قوموں کا فیصلہ اسی مسئلے پر ہوگا کہ انہوں نے مسکینوں اور بیکسوں کو کھانا اور کپڑا لتہ وغیرہ دیا یا نہیں۔

بازپرس کیوں ہوگی؟ :

اما الائمہ امام ولی اللہؒ ، نے اپنے ایک رسالے "سطعات" میں اس امر کی تشریح کی ہے کہ خداوند تعالیٰ کی

تجلیات میں سے ایک تجلی 'تجلی اعظم' کہلاتی ہے، جو ساری کائنات پر اثر انداز ہے۔ اس کا ایک عکس یا نازل 'تجلی عرش' کہلاتی ہے۔ جس کے نیچے ہر ایک نوع حیوانات کا ایک نمونہ موجود ہے۔ ان میں ایک نمونہ نوع انسان کا بھی ہے۔ اسے امام نوع انسانی یا انسان کبیر کہا جاتا ہے۔ اس انسان کبیر کے نمونے ہی پر تمام انسان اس دنیا میں پیدا ہوتے ہیں جو انسان صغیر کہلاتے ہیں۔ اس انسان کبیر کی جو روح ہے، وہ تمام افراد انسانی کی روح ہے۔ اس انسان کبیر کے قلب پر عرش کی تجلی کا عکس پڑتا ہے۔ یہ گویا تجلی اعظم کا تیسرے درجے کا نازل عکس ہے۔ یا یوں کہو کہ ذات خداوندی کی ایک نازل تجلی ہے۔ یہ تجلی حشر میں ہر ایک فرد انسانی سے مخاطب ہوگی۔ تو گویا حقیقت میں انسانیت ہر ایک فرد سے مخاطب ہو کر ان سے بازپرس کرے گی۔ اس سے ظاہر ہے کہ قیامت کے روز انسانی افراد اور انسانی جماعتوں کا فیصلہ مجموع انسانی (Humanity as a whole) کے تقاضوں کے مطابق ہوگا۔ جو فرد انسان کبیر یا انسانیت جامع کے طبعی تقاضوں کے جتنا قریب ہوگا یعنی ان کو جتنا زیادہ پورا کرنے والا ہوگا اتنا ہی نیک یا صالح قرار دیا جائے گا۔

افراد انسانی اور انسان کبیر کا تعلق :

اس کی مثال ایسی ہے جیسے جسم انسانی کے خلیات (Cells) کہ ان میں سے بہترین ---- صالح ترین ---- خلیہ وہ ہے، جو سارے بدن انسانی کے طبعی تقاضوں کو پورا کرنے میں زیادہ سے زیادہ مدد دیتا ہے۔ اور دوسرے خلیات کے ساتھ مل کر بہترین مصالحت (Harmony) کے ساتھ کام کرتا ہے۔ جو خلیہ اس طرح کام نہیں کرتا وہ بیمار ---- غیر صالح ---- ہے۔ وہ خلیہ جسم انسانی کی خدمت کرنے سے بلسان حال "منکر" ہے یعنی "کافر" ہے۔ اس خلیے سے "بازپرس" ہوگی اور اس کی اصلاح کے لئے اس کا علاج کیا جائے گا۔

اسی طرح ہر فرد انسانی کی صالحیت کا امتحان اس نقطہ نگاہ سے ہوگا کہ اس نے دیگر افراد انسانی کی ساتھ مل کر کہاں تک مناسبت (Harmony) پیدا کی۔ جو انسان کبیر کی صحت کے لئے ضروری ہے۔ اگر کسی فرد کے بدن میں کچھ اجزا خراب یا ناقص ہوں گے، تو اس کی اصلاح کے لئے اسے جہنم کے "شفاخانے" میں جانا ہوگا۔

اب فرض کیجئے کہ ایک انسان کے پاس خوراک کا ذخیرہ اس کی ضرورتوں سے زیادہ ہے، تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے بدن انسان کے تندرست خلیے میں خون آتا ہے۔ اگر وہ فرد انسانی اس ذخیرہ خوراک میں سے اپنی ضرورت کے بقدر لے کر دیگر افراد انسانی کو بھی اس میں سے ان کی ضرورت کے مطابق پہنچا دیتا ہے، تو اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے تندرست خلیہ، خون کو دوسرے خلیات کی طرف منتقل کرتا رہتا ہے۔ یہ اس کا وظیفہ (Function) ہے، اگر وہ فرد انسانی خوراک جمع کر رکھے تو، وہ ایسا ہی ہے جیسے خلیے میں خون "جمع" ہو جائے۔ تو جیسے اس صورت

میں کہا جائے گا کہ خلیہ بیمار ہے۔ مثلاً اسے سوجن ہوگئی ہے ایسے ہی فرد انسانی کو بھی غیر صالح۔۔۔ ناتندرست، اخلاقی بیمار۔۔۔۔ قرار دیا جائے گا۔ اور انسانیت (امام نوع انسان) کے قلب پر جو تجلی الٰہی پڑتی ہے وہ اس سے باز پرس کرے گی۔

صالحیت کا معیار مساکین کی خدمت ہے :

الغرض اس دنیا کی زندگی میں فرد کی صالحیت موقوف ہے۔ اس بات پر کہ اس نے دوسرے کمزور اور مسکین افراد کے کھانے پینے اور کپڑے لتے سے کتنی مدد کی۔ اس دنیا کی زندگی میں انقلابی جماعت کی طرف سے، جو انسان کبیر یا انسانیت عامہ کی نمائندگی کرتی ہے اور اس دنیا میں انسان کبیر کے قلب پر پڑنے والی تجلی الٰہی کی طرف سے، گویا براہ راست خداوند تعالیٰ کی طرف سے باز پرس ہوگی۔ یہ انقلابی جماعت ان انسانیت فراموش افراد سے اس وقت باز پرس کرے گی جب وہ اپنی مرکزی طاقت مضبوط کرلے گی۔

(۱۲) اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّ جَحِيْمًا ۝ (۱۳) وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (۱۴) يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ وَ كَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ۝ (بیشک ہمارے پاس بیڑیاں، تیز آگ، گلے میں اٹکنے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے جب زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں گے اور پہاڑ پھسلے ریت کے ٹیلے بن کر رہ جائیں گے)

ان آیات میں، آنے والے بہت بڑے خوفناک واقعے کا ذکر ہے اور اس میں "مکذبین" کے لئے جن کا اوپر ذکر آیا ہے ایک بہت بڑا ڈراوا ہے۔

انقلاب اور قیامت :

امام ولی اللہؒ، کی حکمت کے مطابق ان آیات میں آنے والی بڑی قیامت کے علاوہ چھوٹی دنیاوی قیامت۔۔۔۔ انقلاب عمومی کی طرف بھی اشارہ ہے۔

قرآن درحقیقت آنے والے انقلاب سے ڈرانا چاہتا ہے، اس کے لئے وہ قیامت کبریٰ کے واقعات کو جو تمام اقوام میں مسلمہ طور پر معلوم ہیں، عنوان بناتا ہے۔ اگر قرآن حکیم محض عربوں کے لئے نازل ہوا ہوتا تو وہ عرب کی گزشتہ تاریخ کے واقعات مثلاً عاد و ثمود کی تاریخ کی طرف اشارہ کرنا کافی سمجھتا، مگر یہ عالمگیر صداقتیں لے کر آیا ہے۔ اس لئے اسے ان عالمگیر صداقتوں کے نہ ماننے والوں کی عبرت انگیزی کے لئے مسلمہ عالمگیر حوادث ہی کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ اس لئے قرآن حکیم نے ان آیات میں انقلاب عمومی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے قیامت کے عالمگیر حادثے کو ذریعہ بنایا ہے۔

کھانے پینے کے نظام کی اہمیت :

اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی اصلاح کے پروگرام میں کھانے پینے کے انتظام کو پوری اہمیت دینی چاہئے اور اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ کوئی شخص اس کے ہمسائے میں بھوکا نہ سوئے۔ جب اس اصول پر اصلاح شروع کی جائے گی تو اسے اپنے زمین و آسمان بدلے ہوئے نظر آئیں گے، وہ اس گھر میں آرام سے نہ رہ سکے گا جس میں وہ اب تک ظالمانہ انداز سے رہتا تھا۔ وہ اس شہر میں نہ رہ سکے گا اور اس ملک میں نہ رہ سکے گا جس میں انسانیت پر ظلم ہو رہا ہو۔

فارغ البال ظالم لوگوں کی سزا :

جب کسی قانون کا کوئی باغی پکڑا ہوا آتا ہے، تو اسے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر قید خانے میں ڈال دیا جاتا ہے، اسے وہاں بدترین غذا ملتی ہے اور تمام راحتوں سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح انسانیت کے دشمن کو بیڑیوں میں کس کر پہلے دنیاوی قید خانے میں ڈالا جائے گا اور یہاں سے مر کر نکلتے ہی وہ جہنم کے قید خانے میں ڈال دیا جائے گا، چونکہ وہ غریبوں اور مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتا تھا، اس لئے اسے دنیاوی جیل میں اور اس کے بعد اخروی جیل (جہنم) میں ایسا کھانا دیا جائے گا جسے وہ کھا نہ سکے گا۔ اور جس طرح مساکین اسے دیکھ دیکھ کر ترستے تھے اب وہ کھانے کو ترسے گا۔ البتہ دنیاوی عذاب کا قاعدہ اتنا عام اور ہمہ گیر نہیں جتنا اخروی زندگی کے عذاب کا ہے، کیونکہ جو شخص انقلابی جماعت کی کامیابی سے پہلے مر گیا وہ اس کے ہاتھوں سزا پانے سے بچ جائے گا۔ جو لوگ ان ایام انقلاب کی پوری سزا سے بچ گئے ان کے لئے آخری باز پرس کا دن مقرر کیا گیا ہے۔ اس روز سب کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا جائے گا۔ اس روز خداوند تعالیٰ لوگوں کے ساتھ انصاف کرنے کے سوا اور کچھ نہ کرے گا۔

پس کھاتے پیتے لوگ جو انسانیت کی خدمت کے اصولوں سے انکار کرتے ہیں ---- مکذبین ---- وہ اس بڑے یوم انقلاب ---- قیامت کبریٰ ---- اور اس آنے والے چھوٹے یوم انقلاب ---- قیامت صغریٰ سے ڈریں! اور ان کے پاس جو نعمت الٰہی ہے، اس میں سے ان کو بھی بقدر ضرورت دیں جو اس سے محروم ہیں۔

فائدہ :

ایک شخص غلطی کرتا ہے اس پر گرفت کا موقعہ آ چکا ہے، مگر اس نے دوسری جماعت میں مل کر ایک اچھا کام بھی کیا ہے، اب یہ جماعتی اچھا کام اگر اس غلطی کو معاف نہیں کرا سکتا تو اسے موخر ضرور کرا دے گا۔ اس اصول پر

انسانوں کا فیصلہ آگے پیچھے ہو سکتا ہے، مگر کوئی جرم بغیر بدلے کے نہیں رہ سکتا اور جب اس جرم کی سزا پوری ہو جائے گی جو ہمیشہ محدود ہو گی تو اسی وقت سے وہ نجات پا جائے گا۔

انقلاب کی منزل اول : قومی انقلاب

قومی انقلاب کی دعوت :

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ (ہم نے تم عربوں کی طرف اسی طرح نگرانی کرنے والا رسول بھیجا ہے جس طرح فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا)

بین الاقوامی انقلاب کے چند اصول بیان کرنے کے بعد ان کو قومی انقلاب میں استعمال کرنے کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ یہ قومی انقلاب آگے چل کر بین الاقوامی انقلاب کی شکل اختیار کرے گا۔ اور قومی انقلاب لانیوالی جماعت ہی اس بین الاقوامی انقلاب کی مجلس عاملہ (ورکنگ کمیٹی Working Committee) بن جائے گی۔

نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں :

حضرت امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ عرب کے لئے قومی نبی ہیں تاکہ اہل عرب کے اخلاق و عادات کی اصلاح کریں اور ان میں قانون الٰہی جاری کریں دوسری یہ کہ آپ تمام اقوام عالم کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت امامؒ فرماتے ہیں کہ :

وَهٰذَا الْاِمَامُ الَّذِىْ يَجْمَعُ الْاُمَمَ عَلٰى مِلَّةٍ وَّاحِدَةٍ يَّحْتَاجُ اِلٰى اُصُوْلٍ اُخْرٰى غَيْرَ الْاُصُوْلِ الْمَذْكُوْرَةِ فِيْمَا سَبَقَ، مِنْهَا اَنْ يَّدْعُوَ قَوْماً اِلَى السُّنَّةِ الرَّاشِدَةِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُصْلِحَ شَاْنَهُمْ ثُمَّ يَتَّخِذَهُمْ بِمَنْزِلَةِ جَوَارِحِه فَيُجَاهِدُ اَهْلَ الْاَرْضِ وَيُفَرِّقُهُمْ فِى الْاٰفَاقِ وَقَوْلُهٗ تَعَالٰى: (كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) وَذٰلِكَ لِاَنَّ هٰذَا الْاِمَامَ نَفْسَهٗ لَايَتَاَتّٰى مِنْهُ مُجَاهَدَةُ اُمَمٍ غَيْرِ مَحْصُوْرَةٍ وَّاِذَا كَانَ كَذٰلِكَ وَجَبَ اَنْ تَكُوْنَ مَادَّةُ شَرِيْعَتِه هُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمَذْهَبِ الطَّبِيْعِىِّ لِاَهْلِ الْاَقَالِيْمِ الصَّالِحَةِ عَرَبِهِمْ وَعَجَمِهِمْ ثُمَّ مَاعِنْدَ قَوْمِهٖ مِنَ الْعِلْمِ وَالْاِتِّفَاقَاتِ وَيُرَاعِىْ فِيْهِ حَالَهُمْ اَكْثَرَ مِنْ غَيْرِهِمْ (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص ۱۱۸)

”اس بین الاقوامی دعوت دینے والے نبی کی کامیابی کے اصول ان اصولوں سے مختلف ہوں گے جو ایک امام صرف اپنی قوم کے اندر دعوت کے لئے استعمال کرتا ہے۔ ان میں سے ایک اصول یہ ہے کہ یہ بین الاقوامی امام اپنی

قوم کو صحیح سنت کی دعوت دے گا۔ اور انہیں پاک کرے گا اور ان کی حالت درست کر کے ان کو اپنا آلہ کار بنائے گا، وہ ان کی مدد سے باقی اقوام عالم سے لڑے گا اور ان کو چاروں طرف اپنی دعوت کا پیام دے کر بھیج دے گا۔ چنانچہ قرآن حکیم کی آیت : كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (تم امت کا بہترین طبقہ ہو جو تمام دنیا کے لوگوں کے لئے پیدا کئے گئے ہو) اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ امام تنہا بنفس نفیس لاتعداد اقوام کے ساتھ لڑ بھڑ نہیں سکتا۔ اور چونکہ صورت حال یہ بن جاتی ہے اس لئے ضروری ہے، کہ اس کے قانون شریعت کا جوہر تمام اقوام کے لئے خواہ وہ عرب ہوں یا غیر عرب جو اچھی آب و ہوا کے خطوں میں بستی ہیں بمنزلہ مذہب طبعی ہو۔ بایں ہمہ اس امام کی قوم کے علوم و ارتفاقات کا دیگر اقوام کی بہ نسبت اس تعلیم میں زیادہ خیال رکھا گیا ہو)۔

پس بین الاقوامی دعوت دینے والا امام اپنا کام بین الاقوامی دعوت سے شروع نہیں کرے گا۔ بلکہ سب سے پہلے اپنی قوم کے صالح عناصر کو جمع کر کے قومی انقلاب برپا کرے گا۔ اور پھر اس قومی انقلاب کی مجلس عاملہ دوسری اقوام میں کام کرے گی اور ان کے اندر انقلاب برپا کرے گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال :

حضرت نبی اکرم ﷺ کی شاندار بین الاقوامی کامیابی اسی اصول طبعی کی پابندی کی رہین منت ہے۔ یہ اصول اس سے پہلے بھی برتنے کی کوشش کی گئی تھی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے بین الاقوامی مرکزیت کو توڑنے کے لئے اسی حربے سے کام لیا۔ جب خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دعوت حنیفی کی ریاست سپرد کی (جو بین الاقوامی دعوت ہے) تو ان کو اور ان کے رفیق کار حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا :

فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿٤٧﴾ (طٰہٰ)

(یعنی دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ ہم تیرے پروردگار کے پیامبر ہیں اس لئے بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور ان کو عذاب مت دے! ہم تیرے پاس تیرے رب کی کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے ہیں۔ اب جو ہدایت کی پیروی کرے گا وہی سلامت رہ سکتا ہے۔)

چنانچہ خدا کے دونوں پیامبر فرعون کے پاس جاتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بطور نمائندہ گفتگو کرتے ہیں اور فرماتے ہیں :

قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٠٥﴾ (الاعراف ۷ : ۱۰۵)

(میں یقیناً تمہارے رب کی طرف سے کھلی کھلی نشانیاں لے کر آگیا ہوں۔ اس لئے اب بنی اسرائیل کو میرے ساتھ روانہ کردو)

بالکل ایسے ہی حضرت نبی اکرم ﷺ نے پہلے قریش اور عرب میں بین الاقوامی کام کو قومی رنگ میں کرنا شروع کیااور ان مظالم سے پاک کرنے کی کوشش کی جو وہ انسانیت پر کر رہے تھے۔ اور ان کو تعلق باللہ کا وہ سبق یاد دلایا جو وہ بھول چکے تھے۔

(۱۶) فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾ (فرعون نے اس پیامبر کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اسے دردناک عذاب میں مبتلا کردیا)

فرعونی ملوکیت کا خاتمہ :

فرعون کی ملوکیت، بنی اسرائیل اور مصریوں سے ناجائز انتفاع (Exploitation) کر رہی تھی۔ اس نے ان کو غلامی کی انتہائی ذلالت میں مبتلا کر رکھا تھا۔ ان سے اتنی محنت و مشقت لی جاتی تھی کہ ان کو بیلوں اور گدھوں کی طرح تمام گھریلو کاموں کے لئے استعمال کیا جانے لگا تھا۔ اہرام مصر (Paramids) جیسی عظیم الشان عمارتیں جن کی تعمیر میں لاکھوں من پتھر کی سلیں لگی ہیں، سب مصریوں کے ہاتھوں بنوائی گئیں۔

جب حکمران طبقہ اپنی قوم کو یوں ذلیل بنائے تو اسے کیوں زندہ رہنا چاہئے؟ وہ تو اپنی قوم کو آدمی ہی نہیں مانتے؟ بنی اسرائیل کی ان کے ہاں کیا قیمت ہوسکتی ہے؟ چنانچہ فرعون نے بھی بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ کے ساتھ جانے دینے سے انکار کردیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو آزادی کے پروگرام پر منظّم کرلیا اور بالآخر ان کو مصر سے نکال لے گئے۔ اب خداوند تعالیٰ نے بھی بنی اسرائیل کی خاص مدد فرمائی۔ اور ان کے دشمنوں کو ان کی آنکھوں کے سامنے برباد کردیا۔

چھٹی صدی عیسوی کے فراعنہ : کسریٰ اور قیصر :

اسی طرح چھٹی صدی عیسوی کے فراعنہ (Pharoas) کسریٰ ایران اور قیصر روم۔۔۔۔ کے لئے ایک نبی عظیم ﷺ آیا جس نے ان کو دعوت دی کہ وہ اسلام کا قانون۔۔۔ قرآن حکیم۔۔۔۔ قبول کر کے اسے رائج کریں، اگر وہ اس قانون کو رائج نہ کریں گے، تو کسانوں پر جو ظلم وہ کر رہے ہیں، اس کے وہ ذمہ دار ہوں گے۔ چنانچہ قیصر روم کو جو خط لکھا گیا اس میں یہ الفاظ خاص ہیں :

اِنِّیْ اَدْعُوْكَ بِدَاعِيَةِ الْاِسْلَامِ، اَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِيكَ اللهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّ عَلَيْكَ اِثْمَ الْيَرِيْسِيِّيْنَ

(الصحیح البخاری باب بدء الوحی)

(میں تم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر اسے مان لو گے تو دنیا میں بھی بچ رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا دگنا اجر بھی دے گا، اگر تم نے اس دعوت کو قبول نہ کیا تو تمہارے کسانوں پر جو مظالم ہو رہیں اور وہ اپنی جہالت کے باعث جو غلطیاں کر رہے ہیں، ان کے تم ذمہ دار ہوں گے)

اس خط سے ظاہر ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کی انسان دوستی شروع ہی سے ملوکیت پرستوں کے جوتے تلے دبے ہوئے لوگوں خصوصاً کسانوں کے ساتھ تھی، کیونکہ ان ممالک کی غالب آبادی ان کسانوں وغیرہ ہی پر مشتمل تھی۔ چنانچہ امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ نے حجتہ اللہ البالغہ (ص ۱۰۵) میں اس طبقے کی زبوں حالی کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ نہایت عبرت انگیز ہے۔

کسریٰ و قیصر نے یہ دعوت قبول نہ کی، نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح فرعون کو دنیا میں سزا دی گئی اسی طرح یہ دونوں سلطنتیں صفحہ ہستی سے مٹادی گئیں۔ اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد صحیح ثابت ہوا کہ هَلَكَ كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهٗ وَهَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهٗ کسریٰ و قیصر ہلاک کر دیئے جائیں گے اور ان کے بعد ان کا کوئی جانشین نہیں ہوگا)

یہ تھا، بین الاقوامی انقلاب، جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے قرآن کے ذریعے سے پیدا کیا اور جس کا فائدہ تمام کمزور جماعتوں کو پہنچا۔

(۱۷) فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا ﴿١٧﴾

(۱۸) (الف) السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ : (تم کس طرح بچ سکو گے؟ اگر تم نے انکار کیا اس دن کا جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور جس سے آسمان پھاڑا جائے گا۔)

وہ یوم انقلاب آنے والا ہے اور جس طرح قیامت کبریٰ کا عذاب ایسا خوفناک ہوگا کہ بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور آسمان پھٹ جائیں گے اسی طرح چھوٹے پیمانے پر آنے والے ایام انقلاب میں تمام مخالفین کو سخت سزا دی جائے گی۔ اس یوم انقلاب کے لانے کے لئے خدائے قدیر اور مدبر السموت والارض تدابیر کر رہا ہے۔ اگر اسے قریب تر لانے کے لئے آسمانی قوتوں کو پھاڑنا (یا بقول حضرت مسیحؑ "ہلانا") پڑے گا تو وہ بھی کر ڈالے گا۔

انقلاب کے لئے تدبیر الٰہی کے طریقے:

تدبیر الٰہی کے انہی اصول کار کی تشریح کرتے ہوئے امام ولی اللہ فرماتے ہیں:

وَاِذَا تَهَيَّاتُ اَسْبَابُ هٰذَا الشَّرِّ اِقْتَضَتْ رَحْمَةُ اللهِ بِعِبَادِهٖ وَلُطْفُهٗ بِهِمْ وعُمُوْمُ قُدْرَتِه عَلَى الْكُلِّ وَشُمُوْلُ عِلْمِه بِالْكُلِّ اَنْ يَّتَصَرَّفَ فِيْ تِلْكَ الْقُوٰى وَالْاُمُوْرِ الْحَامِلَةِ لهَا بِالْقَبْضِ وَالْبَسْطِ وَالْاِحَالَةِ وَالْاِلْهَامِ حَتّٰى تَقْضِى تِلْكَ الْجُمْلَةُ اِلَى الْاَمْرِ الْمَطْلُوْبِ

یعنی جب عارضی قباحت کے اسباب جمع ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی مہربانی تقاضا کرتی ہے کہ اس عارضی قباحت کو دور کر کے مصلحت عامہ کے مطابق حالت پیدا کر دی جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے مشکل نہیں ہے اس لئے کہ وہ ہر چیز پر براہ راست قادر ہے۔ اور کائنات کے ذرے ذرے کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ اس غرض کے لئے وہ مخلوقات اور ان کی قوتوں میں تصرف کرتا ہے اس کے تمام تصرفات چار قسموں میں منقسم ہو جاتے ہیں :

(۱) قبض : (یعنی جو قوتیں مصلحت کلیہ کے خلاف ہوں ان کی قوت عاملہ روک دی جاتی ہے)

(۲) بسط : (یعنی جو قوتیں مصلحت کلیہ کے لئے مفید ہوں مگر کمزور ہوں، ان کو قوٰی مثالیہ سے مدد پہنچا کر طاقتور بنا دیتا ہے)

(۳) احالہ : (یعنی مصلحت کلیہ کے قیام کی غرض سے اگر ضرورت پڑے تو ایک عنصر کو دوسرے عنصر میں تبدیل کر دیا جاتا ہے)

(۴) الہام : (یعنی مصلحت کلیہ کے قیام کے اصول کی محبت یا اس کے مخالف قوتوں کی نفرت لوگوں کے دلوں میں ڈال دی جاتی ہے اور وہ اس کے حق میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں)

کسریٰ و قیصر اور ان کے متبع میں قریش کو انذار :

الغرض ان تدابیر کے ذریعے سے قرآنی انقلاب لایا جائے گا اور کوئی قوت اسے روک نہ سکے گی اور نہ حجاز میں کوئی غیر انقلابی رہنے پائے گا۔ اب اگر فرعون حضرت موسیٰؑ کی تحریک انقلاب کی مخالفت کر کے بچ نہ سکا تو قیصر و کسریٰ اور ان کے ملکی اور حجازی متبعین اس انقلاب سے جو قرآن حکیم لانے والا ہے کس طرح بچ سکتے ہیں؟

اس پیشگوئی کی تصدیق :

تاریخ شاہد ہے کہ یہ پیشگوئی حرف بحرف صحیح نکلی اور اس اعلان کے تیرہ سال کے بعد جنگ بدر میں ابو جہل اور اس کے متبعین اور چند سال کے بعد ایرانی اور رومی جنگوں میں کسریٰ ایران اور قیصر روم ہلاک ہو گئے۔

(ب) كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا: (یہ بات ہو کر رہنے والی ہے) یہ انقلاب ہو کر رہے گا اور کوئی طاقت اسے روک

نہ سکے گی!

یہ اعلان جنگ بدر سے تیرہ سال پہلے کیا گیا تھا۔ اور بدر میں عین اس کے مطابق ہو کر رہا۔

انقلاب کا مطالعہ کرنے کی ضرورت :

ہمارے اکثر مفسرین نے اپنی تفسیریں اس زمانے میں لکھیں جب قرآنی انقلاب دنیا کے اکثر حصوں پر چھا چکا تھا، اور قرآنی نظام (Quranic Order) کے مطابق مسلمانوں کی زندگی کی تنظیم ہو چکی تھی، اس لئے یہ مفسرین انقلاب کی وہ کیفیت سمجھنے سے معذور رہے جو صدر اسلام میں پیش آئی تھی اور جس میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے واقعۃً زندگی بسر کی۔ اس لئے یہ مفسرین اکثر واقعات کو جو انقلاب کے زمانے میں پیش آیا کرتے ہیں اور جو واقعی قیامت کبریٰ کا نمونہ ہوتے ہیں، قیامت کبریٰ ہی پر محمول کر کے خاموش ہو گئے۔ اس انقلاب کی حقیقت کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں، جنہوں نے اس قسم کا انقلاب دیکھا ہو۔ ہم خود ہندوستان میں اس انقلاب کے بعد پیدا ہوئے ہیں جو یورپین استیلاء سے پیدا ہوا مگر ہم ایک واسطے سے اس انقلاب کے حالات جانتے ہیں۔ جب وہ حالات سنتے ہیں تو بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اس قسم کے انقلاب کی قریب ترین مثال روسی انقلاب کی ہے۔ روس میں زار کے خاندان اور دیگر روسی امراء کے خاندانوں پر جو بیتی وہ کچھ وہی خوب جانتے ہیں، جو ان قیامت خیز و حشر زا حوادث سے دوچار ہوئے۔ جو لوگ ۱۹۱۷ء ہندی کے بعد پیدا ہوئے، وہ ان کی حقیقت سے کس طرح واقف ہو سکتے ہیں؟ اور صفحات تاریخ وہ خونچکاں مناظر کس طرح دکھا سکتے ہیں، جو آنکھوں نے ۱۹۱۷ء ہندی میں دیکھے؟ اور اس سے تھوڑا سا فرق کر کے عثمانی خلافت (ترکی) میں جو انقلاب آیا ہے اور شاہی خاندان جس طرح بھیک مانگنے اور بری طرح اخلاق بیچنے پر مجبور ہوا، مسلمانوں کا کھاتا پیتا طبقہ، اُن مسلمانوں کو سامنے نہیں آنے دیتا، ورنہ مسلمانوں کے سامنے روس کے انقلاب کی کوئی اہمیت نہ رہے۔ اور جتنی سزا عثمانیوں کو دی گئی وہ ہمارے عوام سن لیں تو آنکھیں کھلی رہ جائیں!

الغرض قرآن حکیم قیامت کبریٰ کے جس چھوٹے سے نمونے ---- انقلاب ---- کی خبر دے رہا ہے، وہ واقع ہو کر رہے گا۔ اور کوئی ارضی و سماوی طاقت اسے روک نہ سکے گی!

قرآن متنبہ کرتا ہے :

(۱۹) (الف) اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ یہ ایک یاددہانی ہے)

جو لوگ قرآن سوچتے ہیں قرآن حکیم ان کی صحیح رہنمائی کرتا ہے اور جو لوگ اس کے خلاف ارتجاع (Reaction) سوچتے ہیں ان کو تنبیہ کرتا ہے۔

(ب) فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿١٩﴾ (اب جس کا جی چاہے وہ اپنے رب کا راستہ پکڑ لے (

اب کون بچے گا؟ :

اس انقلاب نے اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا راستہ کھول دیا ہے۔ جو شخص چاہے یہ راستہ اختیار کر لے۔ اور قرآنی تعلیم کو اپنا پروگرام بنا کر دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچ جائے۔ رسول اللہ کا فرض یہ ہوگا کہ بھولے بھٹکے لوگوں کو یاددہانی کراتے رہیں۔ آپ کے بعد قرآن حکیم کی تعلیم سے صحیح طور پر سوچنے والے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ انقلاب وہی کامیاب ہوتا ہے جس کے کارکن انقلاب کے اصولوں کو سمجھ کر اپنا لیں اور پھر اپنی ذمہ داری پر کام کریں۔ جب تک کوئی شخص اپنے فیصلے سے انقلابی نہیں بنتا انقلاب میں وہ کوئی قیمت نہیں پاتا۔ جو لوگ اچھی طرح سمجھ کر شامل نہ ہوں، وہ بھی ارتجاعی بن جایا کرتے ہیں۔ اس لئے قرآن کے اصولوں کو سمجھا کر انقلابی بنانا ضروری ہے۔

نظر بازگشت :

اس رکوع میں مندرجہ ذیل مضامین آگئے ہیں :

(۱) قرآن حکیم کی تحریک عوام اور خواص دونوں میں جاری کی جائے تاکہ یہ اپنے انقلابی اثرات پیدا کرے۔

(۲) اس تحریک کو آگے بڑھانے کے واسطے، صرف خدا پر بھروسہ کر کے کام کرنا ضروری ہے۔

(۳) اس تحریک کا ابتدائی مقابلہ بین الاقوامی میدان میں کسریٰ و قیصر کے سرمایہ پرستانہ نظام سے پیش آئے گا۔ اور قومی میدان میں ان لوگوں سے جن کی ذہنیت سرمایہ پرستانہ ہے۔

(۴) ابتدا میں انقلابی جماعت لڑنے سے باز رہے۔ اور صبر کے ساتھ تمام مصائب برداشت کرتی ہوئی تیاری کرے۔

(۵) قرآنی انقلاب کی بنیاد مسکینوں کی خدمت پر ہوگی اور اسی مسئلے پر قیامت کے روز اقوام اور افراد کا فیصلہ ہوگا۔

(۶) عمومی انقلاب برپا کرنے سے پہلے اس کے پیشرو (Pioneers) تیار کرنے کے لئے قومی انقلاب پیدا کیا جائے۔

انقلاب کی منزل دوم : "بین الاقوامی انقلاب"

تمہید :

انقلاب کی حقیقت ان کے ذہن نشین ہوگی۔ اب یہ اساتذہ۔۔۔ ائمہ انقلاب۔۔۔ اپنے اپنے گھروں پر لوگوں کو تیار کریں گے، اس لئے شب بیداری کی وہ پابندی جو ایک سال پہلے لگائی گئی تھی کہ ایک تہائی، نصف یا دو تہائی رات گئے تک کھڑے رہا کرو، غیر ضروری قرار دے دی گئی۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اسے قیامت تک کے لئے منسوخ کردیا گیا۔ اس "قول ثقیل" پر عمل کرنے کی تیاری کے لئے ضرور کم سے کم ایک سال تک بالاستیعاب (Intensive) مطالعے اور گہرے غور و فکر کی ضرورت تھی۔ اس کے بعد بھی جب انہی اصولوں پر انقلاب برپا کرنے کی ضرورت ہوگی پھر یہی اصول قائم ہو جائے گا۔ اور یہ آیت زیر عمل آجائے گی۔ یہ قیام رسول اکرم ﷺ کے لئے ساری عمر ضروری رہا، مگر عام لوگوں کو اس سے مستثنیٰ کردیا گیا۔

(۲۰) (الف) اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَ اللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ

(بیشک تیرا پروردگار جانتا ہے کہ، تو اور تیرے ساتھیوں میں سے ایک چھوٹی سی جماعت دو تہائی سے کچھ کم یا نصف شب یا ایک تہائی رات تک کھڑی رہتی ہے اور اللہ مقدار معین کرتا ہے رات اور دن کی۔ وہ جانتا ہے کہ تم (ہمیشہ) اس حکم کی پیروی نہ کرسکو گے، اس لئے اس نے تمہیں اس حکم کی تعمیل سے بری کردیا، اب تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا آسانی کے ساتھ پڑھ سکو)

قیام شب کا حکم دائمی نہ تھا :

یہ حکم تمام دنیا کے لئے اور ہر زمانے کے مسلمانوں کے لئے دائمی حکم نہ تھا کہ وہ ایک تہائی یا نصف یا دو تہائی رات تہجد میں گزاریں، جس میں وہ قرآن حکیم پڑھیں اور اس پر غور کریں۔ زمین کے بعض حصوں میں راتیں لمبی ہوتی ہیں، جیسے ناروے کے شمال میں ایک ماہ کی رات ہوتی ہے۔ اگر اتنی لمبی رات کا آدھا یا تہائی بھی کھڑا رہنا پڑے تو عملی طور پر یہ ناقابل عمل ہوگا ایسی تعلیم جس میں اس قسم کے حکم ہوں عالمگیر نہیں بن سکتی۔ اس لئے خداوند تعالیٰ نے انسان کی طبعی ضرورت کے مطابق قرآن حکیم کے اتنے مطالعے کا حکم دیا جس پر عمل ہمیشہ ممکن رہے۔

ترمیم حکم کے دوسرے اسباب

(ا) امراض (۲) سفر (۳) قتال: اس حکم کے بدلنے میں رات دن کی کمی بیشی کے علاوہ اور بھی کئی اسباب ہیں۔ مثلاً:

(ب) عَلِمَ اَنۡ سَیَکُوۡنُ مِنۡکُمۡ مَّرۡضٰی ۙ (وہ جانتا ہے کہ تم میں عنقریب بعض لوگ بیمار بھی ہو جائیں گے)

(ا) جو لوگ بیمار ہوں گے وہ اس طویل شبانہ تعلیمی عبادت کے متحمل نہ ہو سکیں گے۔

(ج) وَ اٰخَرُوۡنَ یَضۡرِبُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ یَبۡتَغُوۡنَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ ۙ

(اور دوسرے لوگ سفر کریں گے، زمین پر اللہ کے فضل کی تلاش میں۔)

(۲) بعض لوگ انقلابی ضرورتوں کے لئے سرمایہ جمع کرنے کی خاطر خواہ وہ اپنی ذات کے لئے ہو یا جماعت کے لئے راتوں کو سفر کریں گے۔

(د) وَ اٰخَرُوۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۫ : (اور دوسرے لوگ اللہ کی راہ میں قتال کریں گے)

(۳) بعض لوگ اس انقلابی پروگرام کو زمین میں قائم کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا کر خدا کی راہ میں لڑیں گے۔

(ہ) فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنۡہُ ۙ (اس لئے اتنا پڑھ لو جتنا آسانی سے پڑھا جا سکے)

یہ دائمی قاعدہ ہے، کہ حسب ضرورت جتنا سہولت سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔ مملکت (State) کی تنظیم صرف علم سے نہیں ہوتی، بلکہ تجارت اور تحفظ مملکت کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ پس ہر شخص کو کوئی نہ کوئی منفعت بخش کام (Productive Occupation) اختیار کرنا چاہئے۔ جو سوسائٹی کے لئے مفید ہو اور جس کی قانون اجازت دے۔ انقلاب کا نتیجہ یہ ہے کہ انقلاب منظّم کر کے عوام کو ارتقائی راستے پر لگا دیا جائے۔ اس وقت ہر شخص کو کوئی نہ کوئی کام کرنا ہوگا تاکہ ملکی پیداوار بڑھے اور اس پیداوار کی تنظیم بھی انقلاب کا ایک فریضہ ہے۔ اسی کے بل بوتے پر انقلابی جماعت اپنے انقلاب کو آگے بڑھا سکتی ہے۔ اگر ملک کی پیداوار منظّم نہ ہوگی تو مخالف طاقتوں کے حملوں کو برداشت نہ کیا جا سکے گا۔ اور ارتجاعی طاقتیں فتور مچادیں گی۔ ہر شخص کو کوئی نہ کوئی کام کرنے پر مجبور کیا جائے گا، مگر یہ افراد کے اختیار میں ہوگا کہ کونسا مفید پیشہ اختیار کریں۔ جو لوگ ان پیشوں کو اختیار کرلیں گے، وہ نماز تہجد بطریق مذکور رات کو مقررہ طویل گھڑیوں میں نہ پڑھ سکیں گے۔ اس لئے قانون میں قدرے ترمیم کردی گئی۔

الغرض اب اپنی سہولت کے مطابق قرآن حکیم پر تدبر جاری رکھو اور دیکھو کہ اس کے مطابق حکومت کس

طرح چلائی جائے گی؟ اس قرآن خوانی کی عملی شکل کیا ہو گی؟ اس کا ذکر اگلی آیت میں آتا ہے۔
وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (اور دوسرے لوگ اللہ کی راہ میں قتال کریں گے)

ایک اہم نکتہ : قرآن کی تعلیم انقلابی ہونے کا ثبوت :

یہ آیت نہایت اہم تاریخی چیز ہے۔ یہ بعثت کے دوسرے سال میں نازل ہوئی۔ اس میں آنے والی جنگوں کی طرف نہایت صاف و صریح اور ناقابل تاویل الفاظ میں اشارہ موجود ہے۔ اس سے قرآنی فکر کے انقلابی ہونے کا ناقابل تردید ثبوت ملتا ہے۔ انقلاب اگر سوچے سمجھے ہوئے پائیدار اصولوں پر برپا کیا جائے، تو اس کے بنیادی فکر میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اگر قرآن حکیم انقلابی تحریک پیدا کرنی چاہتا ہے، تو ضرور اس میں لڑنے کا فکر شروع ہی سے موجود ہونا چاہئے، گو، لڑنا نہ لڑنا وقتی مصلحت کے مطابق ہو گا۔ یہ آیت اس فکر کی پوری پوری تائید کرتی ہے۔ اور قرآن حکیم کی تعلیم کو ناقابل تردید طور پر انقلابی ثابت کرتی ہے۔ اس آیت میں قتال کا جو فکر پیش کیا گیا ہے، وہ پہلا جرثومہ (Germ) ہے، جس نے آگے چل کر سورہ انفال[1] اور سورۃ توبہ، کی ترکیب اور جامعیت حاصل کر لی۔

عدم تشدد طبعی اصول نہیں :

زمانہ حال کا یہ سب سے افسوسناک حادثہ ہے کہ عدم تشدد (Non-violence) کو جو انقلاب کی تیاری کے لئے بہترین ذریعہ ہے، سیاست کا لازمی اور دائمی جز قرار دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ انسانی سیاست کی قطعی غیر طبعی ترجمانی ہے۔ قرآن حکیم اور اس کی بنیاد حکمت امام ولی اللہ، اس سے قطعاً انکار کرتے ہیں اور قرار دیتے ہیں کہ چونکہ انسان بہیمیت (Anima) اور عقلیت یا ملکیت (Persona) سے مرکب ہے۔ یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ انسان اجتماعی حیثیت سے اپنی ارتقائی زندگی کے کسی دور میں بھی بہیمیت سے علیحدہ ہو جائے گا۔ اس لئے جنگ اور قتال --- جہاد--- جس کے ذریعے سے ملکیت یا عقلیت، بہیمیت پر غالب آتی رہے گی انسانی معاشرہ (Society) کا لازمی جز رہے گا۔ انسانیت فقط عدم تشدد (Non-violence)، مصالحت (Compromise) سے کبھی ترقی نہیں کر سکتی بلکہ ہمیشہ انقلاب (Revolution) سے آگے بڑھتی ہے، جس کے لئے تشدد اور عدم تشدد دونوں ضروری ہیں۔

---

[1] انفال اور توبہ قرآن حکیم کی دو سورتیں ہیں، جن میں جنگ کا بین الاقوامی قانون تفصیل سے دیا گیا ہے۔

فائدہ: ہماری شرعی اصطلاح میں جہاد کے لئے امیر، لشکر اور سامان جنگ کی ضرورت ہے۔ یہ اجتماع سے حاصل ہوسکتی ہیں، لیکن اگر اجتماع ٹوٹ چکا ہو اور سامان جہاد میسر نہ ہو تو پھر ہمارے فقہاء ہر مرد اور عورت کو انفرادی طور پر جہاد کے لئے مجبور کرتے ہیں۔ یہ ہے انقلاب۔ (حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ یہ بات انہیں حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسنؒ نے سمجھائی تھی)۔ ہماری قوم میں علی گڑھ پارٹی نے جس طرح جہاد میں سستی برتی ہے وہ نہایت قابل افسوس ہے اور مزید برآں گاندھی جی کا مستقل عدم تشدد کا نظریہ تباہ کن ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی :

ایک شبہ کا ازالہ : حضرت نبی اکرم ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی کا ایک ہی محور تھا۔۔۔انقلاب جس کے لئے قتال لازم ہے لیکن یورپ کے پراپیگنڈہ کرنے والے ہمیشہ لکھتے رہتے ہیں کہ آپ مکہ میں مسکینی کی زندگی بسر کرتے رہے، مگر مدینہ پہنچتے ہی حالات کچھ سازگار ہوئے تو (نعوذ باللہ) کھل کھیلے اور قافلے لوٹنے شروع کردیئے اور رفتہ رفتہ ایک ریاست (State) کے مالک بن بیٹھے۔ چنانچہ مشہور اہل قلم مسٹر جوزف ہل (Joseph Hulf) اپنے مقالے "الثقافۃ العربیہ (Die Kultur der Arabes) "مترجمہ جناب صلاح الدین، خدا بخش صاحب ایم۔اے، بی۔سی۔ایل، بیرسٹرایٹ لاء پٹنہ) صف ۲۲۔۲۳ پر لکھتے ہیں کہ:

The man who just left Makkah and the man now entered Medina seem to be two different men. The former man an ideal preacher of a perfect religion who for his convictions، cheerfully endured scorn and persecutions and who sought no other destinction than that of being acknowledged a messenger of God. There is no trace of love of power in him.. nothing to indicate that he was striving to set up a state organisation at the head of which he whished to preside. Of social reform the one thing that he sought to achieve in Mekka-- supported by the doctirne of unity of God and the day of judgment reinforced by the joys and horrors of Heavne and Hell--was the widening of the circle of duties beyond the trible، to all faithfuls alike and to mankind at large in the event of their accepting the true faith.

He left Mekkah as a Prophet but entered Medina as the Chief of a Comminity. The "Fugitives" constituted a tribe by themselves and as a corporate body were described under the name and style of Muhajirin.

This change of position created fresh problems، set new tasks but Mohammad was quite equal to the occasion. The Prophet now retires into the background-- the diplomatist now comes forward. The Prophetship is now only an arnament of the ruler، an effective weapon establishing. extending، maintaining power."

(یعنی جس شخص نے ابھی ابھی مکے سے ہجرت اختیار کی اور جو اس کے بعد مدینے میں داخل ہوا، ایک نہیں دو جداگانہ اشخاص معلوم ہوتے ہیں۔ پہلا ایک کامل اور مکمل مذہب کا مبلغ تھا۔ اس نے اپنے اعتقادات اور ایمانیات کے سبب اپنے مخالفین کی طرف سے ہر قسم کا نفرت آمیز سلوک اور طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کیں۔ وہ خدا کا پیامبر مانے جانے کے سوا اور کسی قسم کے امتیاز کا خواہاں نہ تھا۔ قوت حاصل کرنے کا اسے خواب تک نہ آیا تھا اور یہ ہرگز نظر نہیں آتا کہ وہ اپنے ماتحت کوئی حکومت قائم کرنی چاہتا ہے۔ وہ اہل مکہ سے صرف اتنی اصلاح چاہتا ہے کہ وہ اپنے قبائلی فرائض کے حلقے کو وسیع تر کر کے تمام مسلمانوں کو اس میں شامل کرلیں اور اگر تمام دنیا کے مسلمان اسلام لے آئیں تو ان سب کو اس حلقے میں لے لیں۔ وہ صرف اس غرض سے اہل مکہ کو توحید کا سبق دیتا ہے۔ اور یوم آخرت کے عذاب سے ڈراتا ہے۔ اور ثواب کی توقع دلاتا ہے۔

"الغرض اس نے مکہ چھوڑا تو وہ محض ایک نبی تھا اور جب مدینے میں داخل ہوا تو وہ ایک گروہ کا لیڈر تھا۔ جو لوگ ہجرت کر کے اس کے ساتھ آئے تھے ان کا مہاجرین کے نام سے ایک الگ فرقہ بن گیا۔ اس تبدیلی نے نئے مسائل اور نئے نئے کام پیدا کردیئے مگر حضرت محمد (ﷺ) ہر ایک مسئلے کو حل کرنے اور ہر ایک کام کو سرانجام دینے کا اہل تھا۔ اب نبی پس منظر میں چلا جاتا ہے اور اس کی جگہ سیاستدان (Diplomatics) آگے آجاتا ہے۔ اب نبوت، حکمران کے زیور کے سوا اور کچھ نہیں جسے وہ اپنی ریاست قائم کر کے اسے توسیع دینے اور قائم رکھنے میں استعمال کرتا ہے)

دراصل مشنری لوگ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی میں اس قسم کی تفریق کر کے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ مدینے تشریف لے جانے کے بعد آپ کا فکر (Idea) بدل گیا تھا۔ جس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کی تعلیم انقلابی (Revolutionary) نہیں ہے جو اصول انقلاب کے مطابق نہیں بلکہ حالات کے تابع تبدیل ہوتی رہتی تھی۔ حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ جس کا ثبوت آیت زیر بحث سے مل جاتا ہے۔ مکی زندگی میں قرآنی جماعت کو بتادیا گیا تھا کہ آگے چل کر قتال (war) ہوگا۔ چنانچہ اس کے چند سال بعد بدر سے جنگوں کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ حضرت نبی اکرم ﷺ کی زندگی کے آخری ایام تک برابر جاری رہا اور ان کا

تمنہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں پیش آیا۔ جب قیصر و کسریٰ کے ممالک پر قبضہ کیا گیا۔ اس کے معنی اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم انقلابی تعلیم ہے۔ جس کا فکر (idea) مکہ مکرمہ میں پیدا ہوا۔ اور وہیں تکمیل تک پہنچا۔ مدینہ منورہ کی زندگی درحقیقت اسی فکر کی توسیع تھی۔ چنانچہ امام الائمہ حضرت امام ولی اللہ "فیوض الحرمین" (ص ٦٧) میں خلافت باطنہ اور خلافت ظاہرہ کی جو تشریح کرتے ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خلافت ظاہرہ سے مراد سلطنت ہے اور خلافت باطنہ سے مراد وہ پارٹی ہے جو سلطنت پیدا کرتی ہے۔ یہ خلافت باطنہ مکہ مکرمہ میں پیدا ہو چکی تھی۔ اس کو قرآن "حزب اللہ" قرار دیتا ہے۔

نماز اور زکوٰۃ کا دائمی قانون:

(ھ) وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ : (اور نماز کرو اور زکوٰۃ دو)

تہجد کی معافی کے ساتھ، عام نماز معاف نہیں ہوگئی۔ اسے ضرور قائم رکھو۔ یہ تجلی الٰہی کے ساتھ تعلق قائم رکھنے کا ذریعہ ہے، اس کا لازمی نتیجہ ہے 'مساکین کی خدمت' جس کے لئے زکوٰۃ کا ادارہ قائم کیا گیا ہے۔

مساکین کی خدمت کے لئے اپنی آمدنی میں سے اتنا حصہ نکالتے رہو کہ ان کا پیٹ بھر جائے۔ یہ انقلاب کا لازمی جزء ہے۔ ورنہ غیر انقلابی کیفیت اوپر بیان ہو چکی ہے۔ یعنی جو لوگ مساکین کی روٹی اور دیگر انسانی ضرورتوں کا مسئلہ حل نہیں کریں گے، وہ سزا کے مستوجب ہوں گے۔ حکومت قائم ہو جائے تو مساکین کے کھانے پینے، وغیرہ کا منظم انتظام اس کا فرض اولین ہوگا۔ وہ عام مسلمانوں سے زکوٰۃ کا بقدر ضرورت ٹیکس وصول کر کے مساکین پر خرچ کرے گی۔ اگر آمدنی کی اس مد سے یہ خرچ پورا ہوتا رہے تو اچھا ہے، ورنہ دوسری مدات سے اس کام میں مدد دی جائے گی۔ اگر دیگر مدات بھی اسکی کفیل نہ ہو سکیں، تو مزید ٹیکس لگایا جائے گا۔ مگر یہ اختیار اس حکومت کو ہے جو اپنا حساب قوم کے سامنے پیش کرے۔ اگر وہ "دارالشوریٰ" میں اپنا حساب پیش نہیں کرتی تو اسے ٹیکس وصول کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ جتنا لیتی ہے ظلم سے لیتی ہے۔

سرمایہ محدود کرنے کا قانون:

(و) وَاَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ : (اور اللہ کو ادھار دو بطریق احسن)

زکوٰۃ کے علاوہ یہ قرضہ بھی قرآن کا قانون چلانے والی حکومت کو دیا جائے گا اور اس پر اُس سے سود نہ لیا جائے گا۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ ہر ایک شخص کو اپنا فالتو روپیہ سرکاری 'بیت المال' میں جمع کرانا ہوگا۔ جہاں سے وہ جب چاہے واپس لے سکتا ہے۔ اور حکومت اس پر اپنی مرضی سے جس قدر چاہے نفع دے سکتی ہے، جس کی شرح وغیرہ پہلے

سے طے نہ ہو گی۔ یہ نفع دینا نہ دینا اور کس شرح سے دینا یہ سب باتیں حکومت کے اختیار تمیزی پر چھوڑنا ہو گا۔

آج کل بینک آف انگلینڈ (Bank of England) نے تمام دنیا پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اس کا نظام سود پر چلتا ہے، ہمارے بینک ایسے نہیں ہوں گے، ہمارے بینک امدادی بینکوں (Co-Operative Societies) کے اصولوں پر ہوں گے، جن میں ہلکا سود بھی نہیں لیا جائے گا۔ ان کے چلانے کے لئے سوسائٹی اپنا علیحدہ انتظام کرے گی۔

انفرادی اور اجتماعی مفاد کا تلازم :

(ز) وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ: (تم اپنی جو نیکی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے پاس پالو گے)

تم اپنے اجتماعی فائدے کے لئے جو کام بھی ان اصولوں پر کرو گے وہ ضائع نہیں جا سکتے۔ اگر ان سے براہ راست تمہاری ذات کو فائدہ نہ پہنچا تو تمہاری اولاد کو یا دوسرے عزیزوں کو یا اجتماع انسانی کے کسی فرد کو فائدہ پہنچ جائے گا اور دنیا میں قومی کاموں سے بڑھ کر بلند تر درجے پر کام کرنے کا حوصلہ دلائے گا۔ اور اس کا جو اثر تمہارے نفس پر مرتب ہو گا وہ آئندہ زندگی میں بھی بالآخر تمہارے لئے مفید ثابت ہو گا۔

بین الاقوامی کام زیادہ شاندار کام ہے :

(ح) هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا ؕ : (وہ اجر کے لحاظ سے بہت اچھا اور بہت بڑا ہے)

بیشک تم آج قومی درجے پر کام کر رہے ہو اور یہ کوئی بلند درجے کا کام نہیں ہے لیکن آگے چل کر تم اسی قومی کام کے نتیجے کے طور پر بین الاقوامی کام کرنے کے قابل ہو جاؤ گے جس کا اجر تمہیں اس سے بہت زیادہ اور نہایت شاندار شکل میں ملے گا۔ پس اعلیٰ درجات حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہو۔

قیام ضبط کی ضرورت :

(ط) وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۠ (اور اللہ سے معافی مانگتے رہو۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے)۔

اس قومی اور بین الاقوامی کام میں کبھی کبھار غلطی ہو جایا کرے تو اسے اصول بنا کر نہ بیٹھ جاؤ۔ بلکہ اصول وہی ہیں جو قرآن حکیم میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ غلطی ہو جائے تو اس کو غلطی سمجھ کر اس سے بازگشت کرو۔ از سر نو قرآن کے اصولوں پر قائم ہو جاؤ اور اس طرح اپنی جماعت کا ضبط (Moral Discipline) نہایت مضبوطی کے ساتھ قائم رکھو۔ اس طرح کرتے رہو گے تو غلطیوں کے نتائج سے محفوظ رہو گے۔ جو شخص اعتراف قصور کر کے

بلند درجہ حاصل کرنے کی کوشش میں چل بسا وہ ایسا ہی ہوگا جیسے اس سے کوئی قصور سرزد ہی نہیں ہوا اور اسے وہی اجر ملے گا جو اس کے بھائیوں کو ملے گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اس قسم کی لغزشیں معاف کردیا کرتا ہے چنانچہ اس کا عام قاعدہ یہ ہے کہ :

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ (النساء : ۴ : ۳۱)

(یعنی اگر تم بچتے رہو گے ان چیزوں سے جو گناہوں میں بڑی ہیں، تو ہم معاف کردیں گے تم سے چھوٹے گناہ تمہارے، اور داخل کریں گے تم کو عزت کے مقام میں)

خلاصۃ الکلام

اس سورت (المزمل) میں مندرجہ ذیل مضامین آئے ہیں :

(۱) قرآن حکیم کی تعلیم انقلابی ہے اس لئے اسے خواص و عوام دونوں تک بیک وقت پھیلایا جائے (آیات ۲۔۷)

(۲) اس تحریک انقلابی میں کام کرنے والے صرف خدا پر بھروسہ رکھ کر کام کریں۔ غیر قرآنی نظام والوں سے کسی رعایت و اعانت کی امید نہ رکھیں۔ (۸۔۹)

(۳) اس تحریک کا مقابلہ قومی اور بین الاقوامی حلقوں میں سرمایہ پرست اور ملوکیت پرست لوگوں سے پیش آئے گا (۱۰)

(۴) انقلابی جماعت شروع شروع میں تشدد اور جنگ سے پرہیز کرے گی۔ البتہ تیاری کے بعد وہ حسب ضرورت لڑسکتی ہے۔ (نمبر ۱۰۔۱۱)

(۵) انقلابی جماعت ان خوشحال لوگوں سے جواب طلب کرے گی جو مساکین وغیرہ کی خدمت میں اپنا مال صرف کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی اسی اصول پر ہر ایک فرد سے جواب طلبی ہوگی (نمبر ۱۱ تا ۱۴)

(۶) انقلاب عمومی سے پہلے قومی انقلاب لانا ضروری ہے (نمبر ۱۵)

(۷) ابتدائی کارکنوں (Poineers) کو قرآن حکیم کا بالاستیعاب (Intensive) مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ گو بعد میں اس قاعدے میں نرمی کی جاسکتی ہے۔ (آیات نمبر ۲ تا ۴ مع آیت نمبر ۲۰)

(۹) اس انقلاب کی بنیاد تعلق باللہ اور تنظیم مساکین پر ہوگی (نمبر ۲۰)

(۱۰) یہ انقلابی تحریک اصولاً سرمایہ پرستی کی مخالف ہوگی۔ اس لئے سود کو جائز نہ رکھے گی۔ (نمبر ۲۰)

(۱۱) اس تحریک میں کام کرنے والے ہمیشہ اپنے کام کا جائزہ لیتے رہیں اور غلطیوں کی اصلاح کرتے رہیں اور اس طرح جماعت کا ڈسپلین (Discipline) قائم رکھیں (نمبر ۲۱)